رانی کیتکی کی کہانی

انشاء اللہ خاں انشاء

مقدمہ .....

ڈاکٹر افغان اللہ خاں

رانی کیتکی کی کہانی

انشاء اللہ خاں انشاء

مقدمہ .....

ڈاکٹر افغان اللہ خاں

داستان[1] رانی کیتکی

اور

کنور اودے بھان کی

تصنیف

سیّد انشاء اللہ خاں انشاءؔ

مقدمہ

ڈاکٹر افغان اللہ خاں

---

[1] مولوی عبدالحق نے یہ کہانی اِسی عنوان سے شائع کی تھی۔ انشاء نے داستان کا لفظ استعمال نہیں کیا ہوگا کیونکہ یہ لفظ فارسی کا ہے۔

مصنّف : انشاء اللہ خاں انشاء

مقدمہ : ڈاکٹر افغان اللہ خاں
شعبۂ اردو گورکھپور یونیورسٹی، گورکھپور

سن اشاعت : مارچ ۲۰۰۰ء

تعداد : پانچ سو

کتابت : نوشاد احمد انصاری حق منزل، شیخ پور، گورکھپور

طباعت : آفسٹ پریس نخاس، گورکھپور

سرورق : عمر بن عزیز

ناشر : ادبی مرکز جامع مسجد اردو بازار۔ گورکھپور

قیمت : ڈی لکس۔ پچاس روپئے (50/=)
طلبا۔ پچیس روپئے (25/=)

مقدمہ

سید انشاء اللہ خاں جیسے نابغۂ روزگار روز روز پیدا نہیں ہوتے ان کی خداداد صلاحیت، ذہانت، جدّت، خلاقی اور شوخی و ظرافت کا ایک زمانہ قائل ہے۔ لیکن بقول اسلم پرویز "تذکرہ نگاروں نے انشاءؔ کی تصویر ایسے الفاظ میں پیش کی ہے کہ وہ ایک درباری مسخرے، پھکڑ شاعر اور لکھنؤ کی سڑکوں پر اپنے حریف مصحفی کا جلوس نکالنے والے شہدے سے زیادہ اور کچھ نظر نہیں آتے۔ یہ واقعہ ہے کہ انشاء کی طبیعت میں شوخی و ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری تھی لیکن شوخی اور پھکڑ پن میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ شوخی و ظرافت کے لئے ایک خاص قسم کی ذہانت بھی ضروری ہے جو عام انسانوں میں نہیں ہوتی اور جو انشاءؔ میں بدرجۂ اتم موجود تھی۔ اس شوخی و ظرافت کو پھکڑ پن تک پہنچانے میں ان کی طبیعت یا مزاج کا نہیں بلکہ دربار اور ان کے عہد کے تقاضوں کا ہاتھ تھا۔ دربار سے وابستگی باعثِ رحمت بھی ہوتی ہے۔ اور باعثِ زحمت و لعنت بھی۔ باعثِ رحمت اس لئے کہ ذاتی اور معاشی مسائل بڑی حد تک دربار سے وابستہ ہو جانے کے بعد حل ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہی دربار یا دربار سے وابستگی شعراء کے لئے اس وقت باعث زحمت و لعنت بن جاتی ہے جب دربار کو خوش رکھنے کے لئے اُسے اپنے معیار اور منصب سے نیچے آنا پڑتا ہے۔ جسے خوشامد، پھکڑ پن اور بازاری پن بھی کہا جاتا ہے۔ سید انشاء کے خاندانی پس منظر اور ان کے ذاتی مسائل نے انھیں دربار تک پہنچایا۔ دربار نے ان کی قدر و منزلت تو ضرور کی، مگر انھیں اس مقام پر پہنچا دیا کہ لوگ انھیں ایک صاحبِ طرز ادیب و شاعر کے بجائے ایک درباری مسخرہ سمجھنے لگے۔

بقول مولوی عبدالحق "کہ اُمرا، کی مصاحبت آدمی کو کہیں کا نہیں رکھتی اور باوجود غیر معمولی قابلیت اور ذہانت کے سید صاحب کا بھی یہی حشر ہوا۔ اسی سلسلے میں وہ مزید فرماتے ہیں:

"افسوس اس بات کا ہے کہ سید انشا، کی طبعی ظرافت اور شوخی کو درباری مصاحبت اور مذاق نے خراب کیا اور اس نے ان کی شاعری کو بھی نہ چھوڑا۔ شوخی اور ظرافت بڑی پر لطف چیز ہے۔ کلام کا رتبہ اس سے بعض اوقات بہت بلند ہو جاتا ہے اور دلوں کو شگفتہ کرنے والے اور بعض خیالات ادا کرنے میں یہ سحر کا کام کرتی ہے بشرطیکہ ایک حد تک اور مناسبت سے ہو اور کوئی لطافت بھی پائی جاتی ہو، جیسا کہ مرزا غالب کے کلام میں ہے۔ لیکن افسوس کہ سید انشار کے کلام میں یہ شوخی و ظرافت تمسخر اور پھکڑ پن کے درجے تک اور پھکڑ پن سے شہدے پن تک پہنچ گئی، جو کانوں کو ناگوار اور ذوقِ سلیم پر گراں گزرتی ہے۔"

مولوی عبدالحق نے صورتِ حال کا بڑا صحیح تجزیہ کیا ہے اور انشار کے سلسلے میں انھوں نے جو رائے قائم کی ہے وہ بڑی حد تک صحیح ہے لیکن اس موقع پر بنیادی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انشار جیسے ذہین اور باکمال شاعر نے جو شاعری کے معیار و منصب سے واقف تھا اس نے اپنی شاعری کو جو ابتذال کی سرحدوں کو چھو رہی تھی اپنے لئے باعث عزت و افتخار کیوں سمجھا۔ حقیقت یہ ہے کہ انشار کی طبعی یا فطری شوخی کو ابتذال کی حدوں تک پہنچانے میں دربار اور شعرار کی آپسی چپقلش اور معرکہ آرائیوں کا ہاتھ تھا۔ بہر حال انشار دربار سے وابستہ رہے اور دربار کا دل بہلاتے رہے۔ ان کے سامنے وہاں دوسرے کا چراغ نہ جل سکا۔ لیکن دربار کا کیا بھروسہ کب بدظن ہو جائے انشار کے ساتھ بھی ایسا ہوا۔ انشار بھی دربار کے لٹکے جھٹکے سے تنگ آ ہی چکے ہوں گے عمر ڈھل چکی تھی۔ ایک جوان بیٹے کی موت نے انھیں توڑ کر رکھ دیا تھا وہ روز روز

کی فرمائشوں سے بھی تنگ آگئے ہوں گے کہ ان کی قوت برداشت بھی جواب دے چکی تھی چنانچہ ان کی آخری عمر بڑی صعوبتوں میں گزری۔ آزاد نے رنگین کے الفاظ میں ان کی ایک تصویر پیش کی ہے۔

"ایک شخص میلی کچیلی روئی کی مرزئی پہنے، سر پر ایک بھینٹا گھٹنا پاؤں میں گلے میں پیکوں کا ایک توبڑا ڈالے ایک ککڑ کا حقہ ہاتھ میں لئے آیا اور السلام علیکم کہہ کر بیٹھ گیا۔ کسی نے اس سے مزاج پرسی بھی نہیں کی اس نے اپنے توبڑے میں ہاتھ ڈال کر تمباکو نکالا اور اپنی چلم پر سُلفہ جما کر کہا بھئی ذرا سی آگ ہو تو اس پر رکھ دینا اس وقت آوازیں بلند ہوئیں اور گڑگڑی، مُسک پیچاں سے لوگ تواضع کرنے لگے۔ وہ بے دماغ ہو کر بولا صاحب ہمارے حال پر رہنے دو نہیں تو ہم جاتے ہیں دم بھر بعد پھر بولا کیوں صاحب ابھی مشاعرہ شروع نہیں ہوا لوگوں نے کہا سب آجائیں تو شروع ہو وہ بولا کہ صاحب ہم تو اپنی غزل پڑھ دیتے ہیں یہ کہہ کر توبڑے میں سے کاغذ نکالا اور غزل پڑھنی شروع کر دی۔"

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

وہ غزل پڑھ کر کاغذ پھینک السلام علیکم کہہ کر چلے گئے مگر زمین و آسمان میں سناٹا ہو گیا اور دیر تک دلوں پر ایک عالم رہا۔"

اسلم پرویز متذکرہ بالا واقعہ کو آزاد کی افسانہ طرازی قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ عابد پیشاوری کا خیال ہے کہ انشاء کی آخری عمر بڑی خراب گزری اور انھیں جنوں تک ہو گیا تھا لیکن یہ واقعہ اس طرح پیش نہ آیا مگر اس واقعہ سے یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ انشا کی آخری عمر بڑے عذاب میں گزری یہ اس انشاء کا ذکر ہے جس کے دروازے پر ہاتھی جھومتے تھے اور جب وہ جا بجا ناں سے بغرض ملاقات

گئے تھے تو ہاتھی پر سوار اور بیش قیمت لباس زیب تن تھا۔ عابد پیشاوری نے ان کے مجنون ہونے کی دو خاص وجہیں بتائی ہیں پہلی تو یہ کہ انشاء اللہ اپنی عمر کے آخری دنوں میں دربار سے معزول ہو کر خانہ نشین ہو گئے۔ نوجوان بیٹے کی موت نے تو انھیں اندر سے توڑ ہی دیا تھا۔ پھر دستوں اور دشمنوں کے وار ان تمام وجوہات کے باعث انتشار جنون کے مرض میں مبتلا ہوئے جب تک والد کے ساتھ رہے زندگی نہایت عیش و آرام سے گزرتی رہی۔ والد کے زمانے میں دروازے پر ہاتھی جھومتے تھے۔ چونکہ دولت کی فراوانی تھی، مزاج بھی شاہانہ تھا اس لئے فضول خرچی عادت بن چکی تھی دربار سے ناوابستگی کے بعد ہاتھ کچھ رکا ضرور مگر فطرت نہ بدلی لیکن دربار سے رشتہ ختم ہونے کے بعد معاشی پریشانیوں کے ساتھ ساتھ طرح طرح کی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ روزی روٹی کے لالے پڑ گئے۔ دوست دشمنی پر آمادہ ہوئے چنانچہ ان کی طبیعت میں انتشار پیدا ہوا اور یہی انتشار جنون میں تبدیل ہو گیا۔ بقول عابد پیشاوری کہ یہ حالات کسی کو بھی پاگل کر سکتے ہیں اور انشاء اللہ کو تو ذلیل کرنے کی باقاعدہ سازشیں کی گئیں۔

بہر حال انشاء اللہ جیسے باکمال صاحبِ سیف و قلم شخص و شاعر کی زندگی سے (۱۷۵۲ء تا ۱۸۱۷ء) دنیاوی عروج و زوال کی بہترین مثال ہے لیکن انشاء نے اپنی تریسٹھ سال کی عمر میں نظم و نثر میں جو کارنامہ انجام دیا اس کی مثال اردو میں کہیں اور نہیں ملتی ان کا کلیات شائع ہو کر منظر عام پر آگیا ہے اس میں کلام ذیل شامل ہے۔

(۱) دیوانِ اردو (۲) دیوان ریختی (۳) قصائد مع ایک قصیدہ بے نقط و ترکی اشعار وغیرہ (۴) دیوان فارسی (۵) مثنوی شیر و برنج (۶) مثنوی بے نقط و ترکی اشعار وغیرہ موزوں (۷) مثنوی شکار نامہ (۸) مثنویات در ہجو زنبور کھٹمل مگس (۹) شکایت زمانہ (۱۰) مثنوی فیل (۱۱) مثنوی در ہجو گیان چند ساہوکار (۱۲) اشعار متفرقہ، رباعیات قطعات تاریخ وغیرہ (۱۳) پہلیاں و چیستانیں مخمس وغیرہ (۱۴) دیوان اردو بے نقط رباعیات وغیرہ (۱۵) شرح ماہ عامل نظم فارسی (۱۶) مرغ نامہ، لطائف بغاوت ترکی

روزنامچہ وغیرہ کے علاوہ نثری قابل قدر تصانیف جس نے انشاء کو زندۂ جاوید بنایا وہ ہے
دریائے لطافت اور رانی کیتکی کی کہانی، سلک گہر وغیرہ۔

دریائے لطافت میں اردو صرف و نحو، منطق، عروض و قافیہ معانی بیان وغیرہ کا
تفصیلی ذکر ہے، کتاب کا پہلا حصہ یعنی اردو صرف و نحو تو سید انشاء کی تصنیف ہے
اور دوسرا حصہ یعنی منطق، عروض و قافیہ و معانی بیان وغیرہ مرزا احمد حسن قتیل کا
لکھا ہوا ہے لیکن بقول مولوی عبدالحق کہ کتاب کا پہلا حصہ ہی کتاب کی جان ہے اگرچہ
اس سے قبل بعض یوروپی محققوں نے متعدد کتابیں اردو قواعد پر لکھیں لیکن یہ پہلی
کتاب ہے جو ایک ہندوستانی اہل زبان نے اردو صرف و نحو پر لکھی ہے اور حق تو یہ ہے
کہ اس نے حق ادا کر دیا ہے بقول مولوی عبدالحق عجیب جامع اور بے مثل کتاب ہے۔
اس سے قبل اردو زبان کے قواعد محاورات اور روزمرّہ کے متعلق ایسی مستند اور محققانہ
کتاب نہیں لکھی گئی اور زبان کے محققانہ مطالعہ اور تحقیق کے لئے اس کتاب کا مطالعہ
لازم ہے۔

سید انشاؔ، وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے عربی فارسی کا تتبع چھوڑ کر اردو زبان کی
ہئیت اور اصلیت پر غور کیا (عبدالحق) اس کی قواعد وضع کی اور ترتیب دی اور جہاں
کہیں بھی تتبع ضروری تھا وہاں بھی وہ زبان کی حیثیت کو نہ بھولے۔ بقول مولوی عبدالحق
" الفاظ و محاورات کی تحقیق، بیگمات کی زبان اور ان کے محاورات، مختلف الفاظ
کے تلفظ، مختلف فقروں کے میل جول سے زبان پر جو اثر پڑا ان سب کو بڑے لطف
سے ادا کیا ہے اور بعض بعض نکات ایسے بیان کئے ہیں جس کی قدر وہی کر سکتے ہیں
جنھیں زبان کا ذوق ہے۔ اس سلسلہ میں وہ مزید فرماتے ہیں:

> " حیرت ہوتی ہے کہ اس بارے میں جن باتوں کا انھوں نے
> خیال کیا ہے متاخرین کو بھی وہ نہیں سوجھیں ...... الفاظ کی
> فصاحت، عروض، فصاحت صحت اور غیر صحت کے متعلق کتنی سچی
> رائے دی ہے۔"

انشاء کہتے ہیں کہ " ہر وہ لفظ جو اردو میں مشہور ہوگیا عربی ہو یا فارسی ترکی ہو یا سریانی، پنجابی ہو یا پوربی از روئے اصل غلط ہو یا صحیح وہ لفظ اردو کا لفظ ہے اگر اصل کے مطابق مستعمل ہے تو بھی صحیح ہے اگر خلاف اصل مستعمل ہے تو بھی صحیح ہے اس کی صحت و غلطی اردو کے استعمال پر موقوف ہے کیونکہ جو کچھ خلاف اردو ہے صحیح ہے اگر اصل میں صحت نہ رکھتا ہو " اس اصول کو قائم کرنے کے بعد وہ بہت سے عربی الفاظ جو اردو میں کچھ کے بجائے کچھ ہو گئے ہیں صحیح بتاتے ہیں مثلاً انشاؔ کی رائے میں (برقا) صحیح اردو کا لفظ ہے گرچہ وہ خلاف اصل ہے یا وہ (غدر) کو اردو کا صحیح لفظ خیال کرتے ہیں اگرچہ اصل میں بسکونِ دال ہے۔ دراصل انشاء نے اصول اس لئے قائم نہیں کئے کہ وہ اردو کو ایک علٰحدہ زبان خیال کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ دیگر زبان کے الفاظ منجھ کر اصل اردو کے الفاظ ہو گئے ہیں اور ایسا ان الفاظ کا اصل زبان کے الفاظ سے کوئی علاقہ نہیں رہ گیا ہے۔

دریائے لطافت کا دوسرا باب بہت ہی دلچسپ ہے اس باب میں تفصیل سے بتایا ہے کہ دلی کے مختلف محلوں میں بولی جانے والی زبان کس نوعیت کی ہے اور کہاں کی غیر فصیح۔ اہلِ مغل پورہ (مغلوں) سادات بارہہ "پنجابیوں اور پُربیوں کی زبان کیسی ہے اور ان کے لہجے اور تلفظ میں کیا کیا فرق ہے اس موقع پر ان بولیوں کی مثال پیش کر دینا ضروری ہے۔

" گھالی جوہری کی فیجی باد (فیض آباد) میں ایسی بنی کہ ایسی کسی کی نہ بنی ہو ڈوڈھی ڈوڈھی پر چریل دے سنار، دی ہٹ ڈھری کے اندر بھی کنوا، کنوے کے منہ اوپر دڈالکڑا۔ ہور شخی (سخی) بھی ایسا کہ ایسا کوئی بھی نہ ہوگا۔ مجھے دیکھتے ہی دیکھتے باگ باگ (باغ باغ) ہوگیا۔ ہور وسی گھڑی چھ پیسے آدمی کو دئے کہ چنیا مل کے واسطے پوریاں ہور موہن بھوگ تو جا کے لاؤ اور اس کے آوتے اوتے تاکہ دھیلے کی گاجراں اور کاچٹا گڑ کے دیا کہ جب تک وہ اوتا ہے

اس کے اوتے توڑی منھ تو جھٹا لو۔ رب جنگا پو کری تال اس نے بھی
عزماغرم پوچیاں ہو کچوریاں ہور موہن بھوگ ڈھیر سالاڈ کے میرے
آگے رکھ دیا میں نے گھا کے کر دلی کر کے کہا کہ میں ہنڈ (اب) جاتا
ہوں سُن کے بیچارے نے چار پیسے کھیسے میں سے کڑھ کے دیے کہ
اس دا کچھ بجار سے لے کے منھ وچ ڈال دے جاتا۔"

انشاء اللہ خاں انشاؔ سادات بارہہ کے محلہ کی زبان پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس چھوکرے کوں میں کتڑاں (کتنا) کہا کہ مجھ سوں (سے)
نہ بولا کر دونوں ٹانگاماں (میں) سر کر دوں گا اب توں (تک) آپڑ سے
(اپنے) اوپر بدنامی نہیں کہیں بارہے مار (میں) ہمیں بدنام نہ کرنا۔"

یہ مثالیں اس موقع پر صرف اس لئے پیش کی گئی ہیں کہ اندازہ ہو سکے کہ انشاؔ نے کسی
غائر نظر سے مختلف طبقات اور مختلف صوبوں سے دلی آکر بس جانے والوں کی بولیوں
یا زبان کا کتنا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ تلفظ اور لہجے پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔ مختلف قوموں،
اور صوبوں کے افراد کے درمیان کسی لفظ کا غلط تلفظ کیا شکل اختیار کرتا ہے اور وہ
لوگ کس لہجے میں بولتے ہیں یا بات کرتے ہیں اس سلسلہ میں انھوں نے جس تفصیل سے
لکھا ہے اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ انشاؔ نہ صرف یہ کہ اردو زبان بلکہ بولیوں پر بھی
دسترس رکھتے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ " رانی کیتکی کی کہانی " جیسی مختصر داستان یا
کتاب نہ لکھ سکتے تھے۔ گو کہ رانی کیتکی کی کہانی لکھنے سے قبل ایک داستان " سلک گہر"
کے نام سے لکھ چکے تھے اس پوری کتاب میں بھی انھوں نے اسی جدت پسندی کا ثبوت
دیا تھا۔ پوری کتاب میں بے نقط عبارت کا التزام کیا گیا ہے۔ اس لئے اس داستان
کی نثر میں روانی اور سلاست کی کمی محسوس ہوتی ہے پھر بھی یہ داستان انشاؔ کی جودت
طبع اور جدت پسندی کی غماز ہے۔

انشاؔ کی ایک اور نثری تصنیف " رانی کیتکی " اور " اودے بھان " کی کہانی
ہے یہ کہانی ایک طبع زاد قصہ ہے۔ یہ جس دور کی تصنیف ہے وہ داستان گوئی کے آغاز

کا دور ہے۔ اس دور میں بڑی ضخیم ضخیم داستانیں لکھی گئیں۔ بعض دوسری زبانوں سے ترجمہ ہوئیں۔ فسانۂ عجائب اور باغ و بہار جیسی کامیاب اور مختصر داستانیں تقریباً اسی عہد میں لکھی گئیں لیکن رانی کیتکی کی کہانی، فسانۂ عجائب اور باغ و بہار کے مقابلے میں اور بھی مختصر ہے۔ دراصل اس کی ضخامت ایک طویل افسانہ یا ناولٹ کے برابر ہے تقریباً پچاس صفحات میں یہ پوری داستان سمٹ آئی ہے۔ دراصل اس کی زبان ہی اس داستان کے اختصار کی خاص وجہ ہے۔ اس کتاب میں انشاؔ نے یہ التزام کیا ہے کہ (ہندوستانی یا ہندوی) کے علاوہ اور کسی دوسری زبان کا کوئی لفظ نہ آنے پائے کہانی کی تمہید میں تحریر کرتے ہیں:

" ایک دن بیٹھے بیٹھے یہ بات اپنے دھیان میں چڑھی کہ کوئی کہانی ایسی کہیے، جس میں ہندوی چھٹ کسی اور بولی کا پٹ نہ ملے۔ تب جا کے میرا جی پھول کی کلی کے روپ کھلے۔ باہر کی بولی اور گنواری، اس کے کچھ بیچ میں نہ ہو۔ اپنے ملنے والوں میں سے کوئی ایک بڑے پڑھے لکھے پرانے دھرانے ڈاگ بوڑھے گھاگ یہ کھڑاگ لائے۔ سر ہلا کر آنکھیں پھرا کر کہنے لگے یہ ہوتی دکھائی نہیں دیتی۔ ہندوی پن بھی نہ نکلے اور بھاکھا پن نہ ٹھونس جائے جیسے بھلے لوگ اچھوں سے اچھے آپس میں بولتے چالتے ہیں جیوں کا تیوں وہی سب ڈول رہے اور "چھانہہ" نہ کسی کی آئے یہ نہیں ہونے کا۔ میں نے ان کی ٹھنڈی سانس کی پھانس کا ٹہوکا کھا کر جھنجھلا کر کہا میں کوئی ایسا بڑھ بولا نہیں جو رائی کو پربت کر دکھاؤں اور جھوٹ سچ بول کر انگلیاں نچاؤں، بے سری اور بے ٹھکانے کی الجھی سلجھی تانیں لے آؤں جو مجھ سے نہ ہو سکتا تھا بھلا یہ بات منھ سے کیوں نکالتا جس کو جتاتا ہوں، جس ڈھب سے ہوتا اس بکھیڑے کو ٹالتا۔ داہنا ہاتھ منھ پر پھیر کر اپنے آپ کو جتاتا ہوں جو میرے داتا نے چاہا تو وہ تاؤ بھاؤ اور آؤ جاؤ اور کود پھاند اور لپٹ جھپٹ دکھاؤں جو

دیکھنے میں آپ کے دھیان کا گھوڑا جو بجلی سے چنچل اچیلاہٹ میں ہے
ہرنوں نے روپ میں اپنی چوکڑی بھول جائے۔"

جو بات اوروں کے نزدیک ہوتی دکھائی نہیں دیتی اس کو انشاء اللہ خاں نے کر دکھایا اور صرف انشاء ہی ایسا کر سکتے تھے کیونکہ وہ صرف اردو زبان ہی نہیں ملکی بولیوں ٹھولیوں سے بھی خوب واقف تھے۔

رانی کیتکی کی کہانی کی اہمیت اردو اور ہندی ادب دونوں میں یکساں ہے ہندی کے محقق اور نقاد اس کہانی کو ہندی کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔ اور انشاء کا شمار ان لوگوں میں کرتے ہیں جنھوں نے کھڑی بولی کو ترقی دینے میں اہم کردار ادا کیا لیکن عابد پیشاوری اسے خالص اردو کی تصنیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اصلاً یہ کہانی اردو میں لکھی گئی۔ اگرچہ یہ اپنی زبان کے اعتبار سے ہندی بلکہ ہندوستانی سے زیادہ قریب ہے اور اسی سبب سے ہندی والوں نے اسے اپنایا بھی ہے لیکن اسلوب کے اعتبار سے یہ خالص اردو ہے۔ ہندی بنا دینا بعد کی تحریف ہے اس کے اردو ہونے کے متعدد وجوہ ہیں۔"

اس سلسلہ میں مزید بحث بیکار ہے، کہانی کے آغاز میں انشاء نے خود تشریح کر دی ہے کہ ان کا مقصد ایسی کہانی کہنا تھا جس میں ہندوی چھٹ اور کسی بولی کا پٹ نہ ملے۔ ہندوی کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ وہ ہندوستانی زبان ہے جو مسلمانوں اور ہندؤں کے میل جول سے وجود میں آئی ہے اور جسے بعد میں اردو کا نام دیا گیا۔ تحصیل حاصل ہے۔

ڈاکٹر گیان چند جین نے "رانی کیتکی" کے اردو ہونے کے جواز میں درج ذیل دلائل پیش کئے ہیں۔ پہلی تو یہ کہ قصے کے ابتدا میں اردو کے ڈھنگ پر حمد و نعت اور منقبت ہے (۲) ہندی میں اس سے پیشتر کوئی مثال نہیں ملتی۔ (۳) قصے میں جو اشعار استعمال کئے گئے ہیں وہ اردو اوزان میں ہیں (۴) انشاء

اردو کے شاعر و ادیب تھے نہ کہ ہندی کے، اس کے علاوہ کہانی کا اسلوب داستانوں کے اسلوب سے بہت قریب ہے اور کہانی میں اردو روزمرہ کا استعمال جگہ جگہ ہوا ہے۔ مختصر طور پر یہ کہ اردو کی تصنیف ہے اور انشاء نے جو کہا تھا وہ کر دکھایا یہ الگ بات ہے کہ زبان کی ناہمواری سے اندازہ ہوتا ہے کہ بزرگوں نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ یہ بات ہوتی نہیں دکھائی دیتی وہ اندیشہ کسی حد تک صحیح تھا۔

رانی کیتکی کے سنِ تخلیق کے سلسلے میں ہندی اور اردو کے محققوں میں کافی اختلاف رائے ہے۔ ہندی محقق ڈاکٹر چھوی ناتھ ترپاٹھی۔ برج رتن داس اور پنڈت رام چندر شکل اس کا سنِ تصنیف ۱۸۰۳ء بتاتے ہیں لیکن ڈاکٹر پرمانند اور پنڈت شیام سندر داس نے اسے ۱۷۹۹ء تا ۱۸۰۸ء کے درمیان کی تصنیف قرار دیا ہے۔ لیکن اردو کے محققوں نے بالاتفاق اس کتاب کا سنِ تخلیق ۱۸۰۳ء مان لیا ہے۔ لیکن کسی نے اپنے خیال یا قیاس کی وجہ نہیں بیان کی اور نہ اس سن کے صحیح ہونے کی دلیلیں دیں یا ثبوت ہی پیش کیا۔ مولوی عبدالحق نے ۱۹۲۶ء کو اپنے مقدمے کے ساتھ اس کہانی کو "رسالہ" اردو میں شائع کیا۔ طبع ثانی میں بھی ان کا مقدمہ موجود ہے لیکن اس کے زمانۂ تصنیف کی طرف کوئی اشارا نہیں ہے۔ متعدد لوگوں نے اس کہانی پر قلم اٹھایا مگر اس کتاب کے زمانۂ تصنیف سے بحث نہیں کی۔ ڈاکٹر رام بابو سکسینہ اور احسن مارہروی نے اس داستان کی تاریخ تصنیف ۱۸۰۳ء لکھی ہے۔ لیکن مولانا عرشی "سلک گہر" کے دیباچے میں ۱۸۰۸ء طے کی ہے۔ ۱۸۰۳ء کی تاریخ گیان چند جین کو مشکوک نظر آتی ہے مگر وہ یہ نہیں مانتے کہ ۱۸۰۳ء تک یہ کتاب وجود میں آچکی تھی۔ اس کتاب کے سنِ تصنیف کے سلسلے میں عابد پیشاوری نے سیر حاصل بحث کی ہے اور صحیح نتیجہ نکالا ہے۔ فرماتے ہیں:

"تاہم مجھے رانی کیتکی کے کسی نسخے یا ایڈیشن میں سے سعادت علی خاں کی مدح نہیں ملی جس سے یہ قیاس کیا جاسکے کہ یہ کہانی ۱۷۹۸ء یا اس کے بعد لکھی گئی ...... کہانی کی ابتدا میں حمد،

نعت اور منقبت کے علاوہ کسی بادشاہ یا وزیر کی مدح نہیں ہے
یہی چیز مجھے متامل کرتی ہے قیاس یہ ہے کہ انشاؔ نے یہ کہانی ایسے
وقت میں لکھی ہے جب وہ کسی دربار سے وابستہ نہیں تھے ورنہ
یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ سعادت علی خاں کی ملازمت کے دوران ان کے
معمولی غیر دلچسپ، پوچ بلکہ کثیف لطائف جمع کرنے میں تو فخر محسوس
کریں اور ایک ایسی تصنیف جو ان کے خیال میں اجتہاد کا درجہ رکھتی
ہو اس میں اپنے ولی نعمت کا ذکر تک نہ کریں یہاں یہ اعتراض بھی
کیا جا سکتا کہ زبان کے ایک خاص التزام کی وجہ سے اس کی
گنجائش نہیں تھی لیکن ایسا کہنا انشاؔ کی صلاحیتوں سے انکار
کرنے کے مترادف ہوگا۔ انھوں نے بغیر نام لئے حمد، نعت اور
منقبت کو جس طرح نبھایا ہے یہ انہی کا حصہ ہے سعادت خاں
ناصر نے "خوش معرکہ زیبا" میں لکھا ہے کہ انشاؔ نے اپنے نام کا
ترجمہ "جو چاہا بھگوان کا" کا کیا تھا لیکن یہ ترجمہ کہانی میں موجود
نہیں ہے یوں بھی ناموں کے لئے باہر کی بولی کی قید نہیں ہے۔"

اس طرح کی اور تفصیلی بحث کے بعد عابد پیشاوری اس کتاب کے
سن تصنیف کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"ان حالات کو دیکھتے ہوئے یہ قیاس بے جا نہ ہوگا کہ
۱۷۸۸ء سے ۱۷۹۰ء تک کے زمانے میں جب انشاؔ کسی کے ملازم
نہیں تھے، یہ کہانی لکھی گئی اودھ میں اس وقت آصف الدولہ حکمراں
تھے انشاؔ ان سے برگشتہ ہو کر دلی چلے گئے تھے۔ لہٰذا کہانی میں
ان کا ذکر کرنا انشاؔ نے غیر ضروری سمجھا ہوگا۔"

اس سلسلہ میں وہ ایک مزید مگر دلچسپ ثبوت پیش کرتے ہیں کہ ۱۸۰۳ء میں
انشاؔ کی عمر پچاس سال سے کم نہ تھی۔ کہانی کی ابتدا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اب آپ کان رکھ کے، آنکھ ملا کے، مستمکھ ہو کے ادھر دیکھئے
کہ کس ڈھب سے بڑھ چلتا ہوں اور اپنے ان پھولوں کی پنکھڑیوں جیسے
ہونٹوں سے کس کس روپ کا پھول اگلتا ہوں۔"

عابد پیشاوری فرماتے ہیں کہ اپنے ہونٹوں کو پھول کی پنکھڑیوں سے تشبیہ دینا کچھ عجیب سا لگتا ہے لیکن انشاؔ کی شوخ طبعی سے یہ بھی ممکن ہے ان کا یہ شعر جو ایک خاص موقعہ پر کہا گیا ہے اس دعویٰ کی تصدیق کے لئے کافی ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو نازنین کہہ سکتا ہے وہ اپنے ہونٹوں کو (پھولوں کی پنکھڑیوں سے تشبیہ دے سکتا ہے)

گر نازنیں کہے سے برا مانتے ہیں آپ
میری طرف تو دیکھئے، میں نازنیں سہی

لیکن شوخ طبعی اور اس قسم کے شعر کہنے کی بھی ایک عمر ہوتی ہے شاید ہی کوئی بوڑھا شخص اپنے ہونٹوں کو پھولوں کی پنکھڑیوں سے تشبیہ دے جبکہ ساتھ ہی ساتھ کود پھاند تاؤ بھاؤ، لپک جھپک کا بھی ذکر ہے جو عالم پیری میں ممکن نہیں چنانچہ اس بیان سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ انشاؔ نے یہ کہانی اسوقت لکھی جب وہ جوان تھے۔

عابد پیشاوری کا خیال ہے کہ اگر اس کہانی کی تصنیف کا زمانہ ۱۷۸۸ء کے آس پاس کا مان لیا جائے تو بھی انشاؔ کی عمر پینتیس (۳۵) سال رہی ہو گی یعنی وہ نوجوان رہے ہوں گے اس لئے ان کے قلم سے ایسے جملے نکل گئے ہوں گے۔

"رانی کیتکی کی کہانی" تاریخی اور لسانی اہمیت کی حامل ہے نہ صرف اردو بلکہ ہندی ادب کے محقق اور نقاد ان کا شمار ان ادیبوں میں کرتے ہیں جنھوں نے کھڑی بولی کو ترقی دی، جس پر ہندی زبان کی بنیاد رکھی گئی۔ حالانکہ اردو کی بنیاد بھی کھڑی بولی ہے اس لئے رانی کیتکی کی زبان کو ہندوستانی یا ہندوی ہی کہنا زیادہ صحیح ہے جس میں بیرونی زبانوں کا کوئی لفظ استعمال نہیں ہوا۔ ہندی محققوں کا خیال ہے کہ ٹھیٹھ کھڑی بولی کی بنیاد رام پرساد نرنجن نے رکھی تھی۔ انھوں نے ۱۷۴۱ء

میں بھاشا یوگ وششٹھ لکھ کر کھڑی بولی میں تصنیف کی ابتدا کر دی تھی۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی نے ان کے دو جملے نقل کئے ہیں جو یوں ہیں " بھگوان آپ سب تتوؤں (तत्वों) اور سب شاستروں کے جاننے ہارنے ہیں۔ میرے ایک سندیہہ (संदेह) کو دور کرو اور سب موکش کا کارن (कारण) کرم ہے کہ گیان ہے اتھوا (अथवा) دونوں ہیں سمجھائے کے کہو۔ نرنجن کی زبان بہت صاف اور جدید ہندی سے بہت قریب ہے جبکہ ۱۷۶۲ء میں پنڈت دولت رام نے پدم پُرانٹر (पदमपुराण) کھڑی بولی میں لکھی مگر اس کی زبان اتنی صاف نہیں ہے تاہم اس میں بھی عربی اور فارسی کے الفاظ نہیں پائے جاتے۔ اس کتاب سے دو جملے پیش ہیں جس سے اس تصنیف کی زبان کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ "جمبودیپ کے بھارت چھیتر (क्षेत्र) دشئے مگدھ نامادیش اتی سندر ہے جہاں پن ادھیکاری بسے ہیں۔ اندر کے لوک کے سمان سدا بھوگوپ بھوگ کرتے ہیں۔"

نرنجن اور دولت رام کے بعد کھڑی بولی کو ترقی دینے میں سدا سکھ لال نے بھی بڑا کردار ادا کیا ہے ان کا اصل وطن دلی تھا ان کی تاریخ پیدائش بقول سلام سندیلوی ۱۷۴۶ء اور انتقال ۱۸۲۴ء ہے۔ انھوں نے وشنو پران کے ایک منتخب حصے کا ترجمہ کھڑی بولی میں کیا لیکن سنسکرت اور پوربی الفاظ بھی ان کی زبان میں در آئے ہیں۔ سدا سکھ لال نیاز نے انگریزوں کی ایما سے یہ ترجمہ نہیں کیا بلکہ اس کام کو انھوں نے کار ثواب سمجھ کر وشنو پُران کی کچھ منتخب کہانیوں کا ترجمہ اپنے عہد کی صاف اور سادہ زبان میں کیا اگرچہ سنسکرت کے الفاظ اس کتاب میں جابجا استعمال کئے گئے ہیں۔ اسی سنسکرت آمیز زبان کو اردو داں حلقہ اس زمانے میں " بھاکھا " کہتا تھا۔ لیکن اس عہد میں بھی یہ زبان قبول عام نہ حاصل کرسکی۔ فارسی آمیز زبان زیادہ مقبول تھی اسی لئے منشی سدا سکھ لال نے کہا:

" رسم و رواج بھاکھا دنیا سے اٹھ گیا " سدا سکھ لال " نے جو زبان پیش کی۔ اس زبان کے چند جملے پیش ہیں۔"

ددیا اس ہیتو (हेतु) پڑھتے ہیں کہ تاتپریہ (तात्पर्य)

اس کا استوورتی (स्तुवृति) وہ پراپت (प्राप्त) ہو اور اس

سے نج سوروپ (स्वरूप) میں ہو لیجئے اس ہیتو (हेतु) نہیں پڑھتے

کہ چترائی کی باتیں کہہ کر لوگوں کو بہکائیے پھسلائیے اور اسے لبھائیے۔"

ان نثر نگاروں جنھوں نے کسی منصوبے کے تحت یہ خدمات انجام نہیں دیں بلکہ نجی طور پر انھوں نے ایسا محسوس کیا کہ انھیں ایسا کرنا چاہئے چنانچہ یہ نثر یا ایسی کتابیں وجود میں آئیں جنکی بنیاد بولیوں اور بھاکھا پر تھی۔ لیکن فورٹ ولیم کالج کے قیام کے بعد اور جان گلکرائسٹ کی ایما پر بھی کچھ کتابیں لکھی گئیں۔ ان میں للولال گجراتی کی "پریم ساگر" سدل مشر کی "دایکتو پاکھیاں" وغیرہ خاص ہیں۔ پنڈت رام چندر شکل فرماتے ہیں کہ ابتدائی دور کے چاروں مصنفین میں انشاؔر کی زبان سب سے زیادہ چٹکیلی اور چلتی ہوئی ہے۔ جبکہ ڈاکٹر لچھمی ساگر واشنے نے تو یہاں تک کہدیا ہے کہ جدید کھڑی بولی کی نثری ترقی میں انشاؔر کا وہی مقام ہے جو قدیم ادب میں امیر خسروؔ کا ہے۔ اردو میں انشاؔر کی اہمیت ماہر لسانیات کے علاوہ ایک منفرد نثر نگار کی بھی ہے کہ جس وقت فورٹ ولیم کالج میں گلکرائسٹ کی نگرانی میں ایک منصوبے کے تحت فارسی اور سنسکرت ادب کی اہم کتابوں کا ترجمہ سادہ اور سلیس زبان (اردو) میں کیا جارہا تھا اسی وقت انشاؔر بغیر کسی فرمائش یا تحریک کے "رانی کیتکی کی کہانی" لکھ رہے تھے اگر ہم عابد پیشاوری کے اس خیال کو مان لیں کہ ۱۷۸۰ء سے ۱۷۹۵ء کے درمیان میں سے رانی کیتکی کی کہانی لکھی گئی تو فورٹ ولیم کالج کی کتابوں کے مقابلے میں اس کتاب کو اہمیت اور اولیت حاصل ہوجائے گی۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس کہانی کے اثرات بعد کو آنے والی نثر پر بھی پڑے۔ بہرحال انشاؔر کی ذہانت تھی کہ انھوں نے بلا کسی منصوبے یا تحریک کے ایسی نثر ترتیب دی جو زبان ہندوی ہندوستانی کی اہم مثال ہے۔ جو آج ہندی اور اردو دونوں میں یکساں طور پر مقبول ہے۔ زبان کے آغاز وارتقا کا جائزہ لینے والے ماہرین لسانیات اور محققوں کے لئے اس

کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہے کیونکہ مقامی بولیوں نے بعد میں چل کر مختلف زبانوں کا روپ اختیار کیا۔

ہندی اور اردو دونوں زبانوں کے علمار ادب اس بات پر متفق ہیں کہ انشآر اپنے دعوے پر کہ اس "رانی کیتکی کی کہانی میں ہندوی چھٹ کسی اور بولی کا پٹ نہ ملے" ـــــ باہر کی بولی اور گنواری کچھ اس کے بیچ میں نہ ہو بس جیسے بھلے لوگ اچھوں سے آپس میں بولتے چالتے ہیں جیوں کا تیوں ڈول رہے اور چھانہہ بھی کسی کی نہ ہو۔ لیکن ہندی کے چند عالموں نے انشآر کے اس دعوے کو کسی حد تک غلط قرار دیا ہے۔ برج رتن داس لکھتے ہیں:

"انھوں نے شروع میں لکھا ہے کہ گنواری پن نہ آجائے۔ لیکن الفاظ پسیرین पसेरियन جنیور وغیرہ پڑھنے میں گنواری معلوم ہوتے ہیں ...... کہا جاتا ہے کہ اس کہانی میں ایک لفظ لالٹین استعمال ہوا ہے جس کی پیدائش مشکوک ہے خواہ کچھ ہو ہندوی چھٹ ضرور ہے اس لئے کم سے کم انشآر نے استعمال نہیں کیا ہوگا۔"

برج رتن داس کا اعتراض یکسر غلط ہے ایک تو انشآر نے گنواری پن لفظ کا استعمال نہیں کیا ہے صرف گنواری لفظ لکھا ہے اگر وہ کوئی اور لفظ استعمال کرتے تو وہ گنوار پن ہوتا یا گنوار کیونکہ اکثر اردو والے یہی طریقہ اختیار کرتے ہیں دوسرے بقول عابد پیشاوری کے پنسیرین (पसेरियन) برج ہے پنسیری کی جمع اردو میں پنسیریوں آتا ہے اور مطبوعہ نسخوں میں یہی ملتا ہے ہندی میں یہ لفظ گنواری ہو سکتا ہے۔ اردو میں نہیں۔ چھانہہ خود پوربی ہے۔ جینیور کو برج رتن داس زیور کی تعریف سمجھ بیٹھے۔ لیکن بقول عابد پیشاوری یہ لفظ غلط چھپا ہے اس سے زیور کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ اصلاً جوڑے بھوڑے ہے جو بہو بیگم کے خزانے کا نام تھا۔ جہاں تک لالٹین لفظ کا تعلق ہے۔ یہ لالٹین نہیں (لال پٹوں) ہے جو کہ اردو رسم الخط کی وجہ سے لالٹین ہو گیا۔ ورنہ کہانی میں متعدد جگہ "لال پٹوں" آیا ہے، اور اس کے معنی لال کپڑے

کے ہوتے ہیں۔ ویسے انشاؔ کے زمانے میں انگریز ہندوستان میں آچکے تھے لیکن ان کے زمانے میں لالٹین کے ہندوستان آنے کا ثبوت نہیں ملتا۔ "لالیٹ" انشاؔ نے سرخ کپڑے کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ اسی طرح کا ایک لفظ طبلہ بھی ہے۔ فارسی میں طبلہ کے معنی ڈبے کے ہوتے ہیں اور عربی میں طبل ڈھول یا ڈھولک کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے جبکہ لفظ طبلہ نہیں "تبلہ" ہے کہا جاتا ہے کہ اس کی ایجاد امیر خسرو کے سر ہے جنھوں نے ایک ڈھولک کو دو حصوں میں تقسیم کر کے لیے دو تبلوں کی شکل میں تبدیل کر دیا۔

عابد پیشاوری نے انشاؔ کے تحریر کردہ ایک باجے کے نام پر اعتراض کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ

> "سازوں کی فہرست میں ایک ساز "منہ چنگ" آیا ہے "چنگ" خالص ایرانی ساز ہے اور اردو میں عام باجے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے انشاؔ کسی منہ سے بجنے والے باجے MOUTH ORGAN کا ذکر کرنا چاہتے ہوں گے جو بدیسی ہوگا انھوں نے ایک دیسی نام تراش لیا اب یہ اور بات ہے کہ اسمیں باہر کی بولی کی پٹ شامل ہوگئی۔"

کلام انشاؔ مرتبہ محمد حسن عسکری ص ۳۳ کے حاشیے میں منہ چنگ کے معنی ایک منہ سے بجانے کا باجہ لکھا گیا ہے لیکن یہ کس قسم کا باجہ ہے اس کی صراحت نہیں کی گئی ہے۔ انشاؔ کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مشہور ایرانی سازِ چنگ کے برعکس محض ایک تار ہوتا تھا۔

منہ چنگی نے فنکاری کی یہ لی کہ جھجک کر

———

کیڑے نے کہا ہے تری (تیرے) منہ چنگ میں کیڑا

———

مجھ چنگ بیچ تیرے مطرب پہ تاریوں ہے

کانٹا لگا ہو جیسے کالے (کالی) کے پھن کے اندر

عابد پیشاوری فرماتے ہیں کہ ان اشعار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ منھ چنگ اس زمانے میں مروّج تھا۔ عابد پیشاوری اس موقعہ پر ذرا چوک گئے۔ منھ چنگ نہ صرف یہ کہ انشاء کے زمانے میں بلکہ خود عابد پیشاوری کے زمانے میں ہی نہیں بلکہ آج بھی مروج ہے۔

دراصل یہ ایک یکتارے کی طرح کا باجہ ہے جو ایک گول کدو کو خشک کرکے اس کے نیچے کا گول حصہ پیندہ کاٹ لیتے ہیں اور اس کو کھوکھلا کرنے کے بعد ایک لمبا سا تار درمیان میں چھید کرنے کے بعد نکال لیتے ہیں اور اس کے دوسرے سرے پر دانت سے پکڑنے کے لئے ایک لکڑی کا بٹن یا گھنڈی لگی ہوئی ہوتی ہے اور اس ایک تار کو بالکل ستار کی طرح بجایا جاتا ہے (تصویر حاشیہ پر ہے) اکثر دیہاتوں میں اب بھی بھیک مانگنے والے سادھو، فقیر اس باجے کو بجاتے کبھی کبھی نظر آتے ہیں۔ بہرحال ہر جا ایک دو لفظ کو چھوڑ کر انشاء نے اس کہانی میں کوئی لفظ ایسا استعمال نہیں کیا ہے جسے بدیسی کہا جاسکے۔ بہرحال لسانی اعتبار سے اس کہانی کی بہت اہمیت ہے۔ انشاء نے جو عہد کیا تھا اس کتاب میں وہ تین قسم کے الفاظ استعمال نہیں کرینگے۔ باہر کی بولی یعنی ترکی، عربی، فارسی، گنواری بولی یعنی برج بھاشا، اودھی، پوربی اور بھاکھا یعنی سنسکرت آمیز ہندوی۔ دراصل یہ کہانی خاص کھڑی بولی میں لکھی گئی ہے چونکہ انشاء کو فارسی اور عربی پر عبور حاصل تھا اس لئے وہ چھوٹے چھوٹے الفاظ جو اردو کے واسطے سے بولیوں کا حصہ بن چکے تھے۔ انشاء نے ان کے استعمال سے گریز کیا کیونکہ انھیں یہ معلوم تھا کہ یہ الفاظ باہری بولی کے الفاظ ہیں مگر ایک مقام پر پھر بھی وہ چوک گئے "لتہ" ترکی لفظ ہے مگر ہندوستانی زبان میں اس طرح گھل مل گیا ہے کہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ یہ بدیسی لفظ ہے۔ انشاء نے کہانی میں جابجا پرانی روایت کو دُہراتے ہوئے اشعار کا استعمال کیا ہے مگر چونکہ انھیں اپنے دعوے پر کھرا اترنا تھا اس لئے اشعار کی جگہ انھوں نے "دوہوں" کا استعمال کیا ہے اور جہاں جہاں رباعی سے کام چلایا ہے اسے "چونکا" کہا ہے کیونکہ اگر وہ اسے

رباعی لکھتے تو وہ ایک فارسی لفظ کا استعمال کرتے دوھا اور رباعی پیش ہے۔

آتیاں جاتیاں جو سانسیں ہیں
اس کے دھیاں سب یہ پھانسیں ہیں (دوہا)

گھوڑے پہ اپنے چڑھ کے آتا ہوں میں
کرتب جو ہے سو سب دکھاتا ہوں میں
اس چاہنے والے نے جو چاہا تو ابھی
کہا جو ہوں سب کر دکھاتا ہوں میں (چونکا)

انشآ نے جا بجا محاورات کا بھی استعمال کیا ہے جو بولیوں میں رائج تھے۔ یا پھر دلی میں بولے جانے والے محاوروں کا ترجمہ کھڑی بولی میں کر دیا ہے اس طرح انھوں نے قدیم دلی کے محاوروں کو دریا برد ہونے سے بھی بچا لیا اور ایک قسم سے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ نئے محاورے بھی ایجاد کرنے کی کوشش کی ۔ بالخصوص فارسی محاوروں کے ترجے اسکی عمدہ مثال ہیں۔

رانی کیتکی کی کہانی کہیں کہیں مقفیٰ ضرور ہوگئی ہے مگر ایسے مواقع کم ہی آتے ہیں ورنہ پوری کی پوری کتاب سادہ ، صاف اور سلیس نثر کی مثال تو ہے ہی ، روزمرہ کا مزہ اور لطف بھی محسوس کیا جاسکتا ہے۔ رانی کیتکی کی کہانی سے چند مثالیں پیش ہیں جو سادہ بیانی کی بہترین مثال ہیں۔

"مٹی کے باس میں اتنی سکت کہاں جو اپنے کمہار کے کرتب کچھ تاڑ سکے سچ ہے جو بنایا ہوا ہو سو اپنے بنانے والے کو کیا سراہے۔"

" میں سارے دن کا تھکا ہوا ایک پیڑ کی چھانہہ میں، اس کا بچاؤ کرکے پڑا رہوں گا۔ تڑے تڑکے، دھندھلکے اٹھ کر جدھر کو منھ پڑے گا چلا جاؤں گا۔ کچھ کسی کا لیتا، دیتا نہیں۔"

" ان سے کہدو ، جہاں جی چاہے اپنے پڑے رہے ہیں اور جو کچھ کھانے پینے کو مانگے انھیں پہنچادو۔"

گھر آئے تو کسی نے آج تک مار نہیں ڈالا

"سچ مچ اس کے جوبن کی جوت میں سورج کی سوت آملی ہے۔"

اس جملے کی شیرینیت تعریف سے بالاتر ہے۔

بہرحال اردو کے سبھی نقاد اس بات پر متفق ہیں کہ انشاؔ نہ صرف اپنے دعوے پر پورے اترتے بلکہ ہزار پابندیوں کے باوجود بھی انھوں نے سادہ اور سلیس نثر کی بہترین مثال پیش کی ہے بقول ڈاکٹر گیان چند جین :

"یہ عام طور سے تسلیم کر لیا گیا ہے کہ انھوں نے ہندی الفاظ کو بڑے حسن اور سلیقے سے استعمال کیا ہے۔ بول چال کے سہل اور سادہ الفاظ میں اس قدر معنویت و صداقت پیدا کر دیتے ہیں جو طول طویل بیانات پر بھاری ہیں۔"

رانی کیتکی کی کہانی میں مکالماتی انداز اختیار کیا گیا ہے لیکن یہ مکالمے جدید دور کے مکالموں سے قطعی مختلف ہیں جملے لمبے اور تفصیلی ہیں مختصر انداز کے مکالمے نظر نہیں آتے یعنی جن سوالوں کا جواب ہاں، یا نہیں میں بھی ہو سکتا تھا اس کو بہت سے لفظوں میں بیان کیا گیا ہے ایسا کرنا انشار کی مجبوری تھی۔ وہ دراصل ان لمبے یا طویل مکالموں کے توسط سے صورت حال اور کردار کی نفسیات کا اظہار ایک ساتھ کر دینا چاہتے تھے۔

زبان و بیان کے علاوہ انشاؔر کا ایک بڑا کمال یہ بھی ہے کہ انھوں نے اس کہانی کے حوالے سے ہندوستانی تہذیب کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ انشاؔ نے ہندوستانی تہذیب کا گہرائی سے مطالعہ کیا تھا۔ شادی وغیرہ کی رسموں سے وہ پوری طرح آشنا تھے۔ مثلاً رانی کیتکی اور اودے بھان سے ملاقات کے دوران اپنی شادی ایک دوسرے سے خود ہی پکّی کر لی تو اس موقعہ پر رانی کیتکی کی سہیلی اسے رائے دیتی ہے

"اپنی اپنی انگوٹھیاں ہیر پھیر کر لو اور آپس میں لکھوٹیں

ابھی لکھ دو پھر کچھ ہچر مچر نہ رہے۔"

ہندوستان جس طرح ذات پات اور اونچ نیچ کے طبقوں میں بٹا ہوا ہے۔ اس سے بھی انشاؔ خوب واقف تھے اس کا اظہار بھی رانی کیتکی کی کہانی میں ہوا ہے جب سورج بھان کا بھیجا ہوا برہمن جگت پرکاش کے پاس کنور کی شادی کا پیغام لے کر پہنچتا ہے تو اس کا یہ جواب ہوتا ہے:

"ان سے ہمارا ناتا نہیں ہونے کا ان کے باپ دادا ہمارے باپ داداؤں کے آگے سدا ہاتھ جوڑ کے باتیں کیا کرتے تھے اور ٹک جو تیوری چڑھی دیکھتے تھے بہت ڈرتے تھے کیا ہوا وہ اب جو بڑھ گئے ہیں اور اونچے چڑھ گئے۔ جس کے ماتھے ہم بائیں پاؤں کے انگوٹھے سے ٹیکا لگا دیں۔ وہ مہاراجاؤں کا راجہ ہو جاوے۔ کس کا منھ چوم یہ بات مرے منھ پر لاوے۔"

شادی کے حوالے سے انشاؔ نے ان جھانکیوں کا بھی ذکر کیا ہے جو قدیم زمانے سے تیوہاروں اور دیگر جشن کے مواقع پر نکالی جاتی ہیں۔ دسہرہ، دیوالی کے موقع پر اب بھی یہ رسم جاری ہے۔ اونچے طبقے کے کسی لڑکے کی جو بارات سجائی جاتی ہے اس میں طرح طرح کی جھانکیاں پھولوں کے گملے، طرح طرح کے جھنڈے اور باجے گاجے شامل ہوتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ انشاؔ کے زمانے میں راجے مہاراجے کے یہاں شادی کے موقع پر اس طرح جھانکیاں نکالی جاتی تھیں۔ جیسا کہ آج مذہبی جلوسوں اور کبھی کبھی بڑی بڑی بارات میں نظر آجاتی ہیں۔ انشاؔ مختلف جھانکیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سکھپال اور چنڈولوں اور رتھوں پر جتنی رانیاں اور مہارانیاں تھیں باس کے نیچے چلی آتیاں تھیں سب کو گدگدیاں سی ہونے لگیں اس میں کہیں بھرتری کا سوانگ آیا کہیں جوگی جے پال اکھڑے ہوئے کہیں مہادیو اور پاروتی دکھائی پڑیں کہیں گورکھ

جاگے، کہیں مہندر ناتھ بھاگے۔

سنگھ ہوئے کہ کہیں پرسرام، کہیں باون روپ کہیں ہرناکس (کیشپ) اور نرسنگھ کہیں رام لچھمن اور سیتا سامنے آئے۔ کہیں لنکا اور راون کا بکھیڑا دکھائی دینے لگا کہیں کنھیا جی جنم اسٹمی میں ہونا اور باسدیو کا گوکل میں لے جانا۔ ان کا اس روپ سے بڑھ چلنا اور گائے چرانی اور مرلی بجانی اور گوپیوں سے دھومیں مچانی۔"

یعنی انشآء نے اپنے عہد کے میلے جلوسوں اور شادی وغیرہ کے موقعوں پر جو کچھ دیکھا تھا اسے اپنی کہانی میں پوری طرح کھپا دیا۔ ایک دوسرے مقام پر برات میں شامل دیوی دیوتاؤں اور جوگیوں کا ذکر کرتے ہیں اور متعدد بولیوں کی جو قطعی ایک دوسرے سے مختلف ہیں تفصیل پیش کرتے ہیں۔ داستانی انداز میں جب کسی چیز کے انواع واقسام کا بیان کرتے ہیں تو بھرپور انداز میں کرتے ہیں تاکہ کوئی جُز باقی نہ رہ جائے۔ مثلاً مجیری، سرداریاں، نواڑے، بھولئے، پلکے، مورپنکھی، سونا مکھی، شیام سندر، جلسے کی قسمیں، سانگ، سنگیت، بھنڈتال، رہس وغیرہ، اہل طرب، گویئے بھانڈ، بھگتیے، ڈھاڑی، سنگیت ناچنے والے راگ رمن بجولئے، یمن، حالانکہ راگ کا تعلق ملک یمن جو بدیسی لفظ ہے استعمال ہوگیا ہے۔ چکیان، جھنجھوٹی کانہڑا، کھماج، سوہنی، سوہی پرچ بہاگ سوہرے،

اس موقع پر وہ تصویریں پیش ہیں جس سے شادی وغیرہ کی رسموں پر تو روشنی پڑتی ہی ہے۔ انشآء کی باریک بینی کی بھی داد دینی پڑتی ہے۔

"اس دھوم دھام کے ساتھ کنور اودے بھان سہرا باندھے جب دولھن کے گھر تلک آن پہنچا اور جو جو ریتیں ان کے گھرانے میں ہوتی چلی آتیاں تھیں ہونے لگیاں مدن بان رانی کیتکی سے ٹھٹھولی کر کے بولی، اب سکھ سمیٹے بھر بھر جھولی، سیر نہوڑائے کیا بیٹھی ہو۔ آؤ ٹک ہم تم مل کے جھروکوں سے انھیں جھانکیں۔"

"ایک آرسی دھام بنایا تھا جس کی چھت میں لکڑی اینٹ پتھر کی بٹ ایک انگلی کے پورے بھر نہ تھی جالی (چاندی) کا جوڑا پہنے ہوئے چودھویں رات جب گھڑی چھٹ ایک رہ گئی۔ تب رانی کیتکی کی سی دلھن کو اس آرسی بھون میں بٹھا کر دولھا کو بلا بھیجا کنور اودے بھان کنھیا بنا ہوا سر پر مکٹ دھرے ہوئے سہرا باندھے اس تڑادے اور جمگھٹ کے ساتھ چاند سا مکھڑا لئے ہوئے پہنچا جس جس ڈھب سے باہمن کہتے گئے اور جو مہاراجوں میں ریتیاں چلی آتیاں تھیں اسی ڈول سے بھونری گٹھ جوڑا سب ہو لیا۔"

ایک جھلک اور پیش ہے اسے عابد پیشاوری نے ہندو تہذیب اور معاشرت کی بہترین عکاسی قرار دیا ہے۔

"راجہ اندر نے دلھن کی منھ دکھائی میں ایک ہیرے کا اکڈال، چپر کھٹ اور پیڑھی پکھراج کی دی اور ایک پارچات (پارجات) کا پورا جس سے جو مانگے سو ملے دلھن کے سامنے لگا دیا اور ایک کام دھین گائے کی پٹھیا بھی اس کے نیچے باندھ دی اور اکیس لونڈیاں انہی اڑن کھٹولوں والیوں سے چن کے اچھی، ستھری گاتی بجاتیاں سیتی پروتیاں سگھڑے سنگھ سونپیں۔"

عابد پیشاوری، وقار عظیم کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ ہندوستانی معاشرت کا کتنا چوکھا رنگ ہے جسے تخیل اور مشاہدے سے گھلا ملا کر ایک انوکھا روپ دے دیا ہے، معاشرت کی سچی تصویر بھی، تخیل کی گلکاری بھی اور تصور کی دوربینی بھی اور پھر ان سب سے بڑھ کر سونے پر سہاگہ، اندازِ بیان پر قدرت اخیر میں فرماتے ہیں کہ رانی کیتکی کی کہانی اردو کی واحد داستان ہے جس سے ہندو معاشرت اور تہذیب کے مزاج کو یوں زندگی کا روپ دے کر زندہ کیا ہے۔

اخیر میں رانی کیتکی کا قصہ یا پلاٹ مختصراً پیش ہے مگر اس سے پیشتر یہ کہنا

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ بتا دیا جائے کہ داستان یا کہانی کے پلاٹ میں کوئی نیا پن نہیں۔ اسکی خاص وجہ یہ ہے کہ انشاء کا پورا زور زبان پر تھا نہ کہ قصہ پر دیگر داستانوں کے اثرات کے علاوہ ہندی یا یہ کہنا چاہیئے کہ ہندوستانی قصوں کے اثرات بھی اس کہانی پر نظر آتے ہیں۔ مثلاً کالی داس کے ایک ڈرامے کا ہیرو بھی بغرض سیر و تفریح نکلتا ہے اور ایک ہرنی کا پیچھا کرتا ہے وہ ہیروئن کی تپامگاہ تک پہنچتا ہے۔ دوسرے تلسی داس کے "رام چرتر مانس" میں بھی "رام" ایک ہرن کے شکار کی غرض سے پنچوٹی سے باہر نکلتے ہیں اور جادو کا شکار ہو جاتے ہیں۔ دوسری طرف "سیتا" کا ہرن हरण ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دیگر قصوں کے اثرات کی بھی نشاندھی کی جا سکتی ہے۔ مختصر یہ کہ قصہ میں کوئی نیا پن نہیں ہے حالانکہ احسن فاروقی نے اسے ناول سے بہت قریب قرار دیا۔ فرماتے ہیں:

> "انشاء اللہ خاں نے رانی کیتکی کی کہانی میں زبان کے جوہر دکھانے کے سلسلہ میں لکھی لیکن یہ کہانی مابعد کی داستانوں سے زیادہ ناول کے قریب آجاتی ہے۔ انشاء نے زبان کے جوہر دکھانے کے سلسلہ میں ایک نئی راہ بھی نکالی۔ لکھنؤ کی اردو شاعری پر زبان کی طرز کا اثر یہ ہوا کہ ایک مخصوص قسم کی منجمد زبان ہر شاعر پر عائد ہوگئی اور شاعری محض الفاظ کے الٹ پھیر کا نام ہوگیا۔ نثر میں بھی یہی روش عام رہی مگر یہی زبان داں جب افسانہ نگاری اور داستان نویسی کی طرف متوجہ ہوئے تو انھوں نے زبان کا وہ راز پالیا جو ناول نگاری کے لئے بہت بنیادی اور ضروری ہے۔"
>
> "ان زبان دانوں نے قصوں کو شروع تو بندھی ٹکی زبان میں کیا، مگر جب مختلف طبقوں اور مختلف افراد کی بات چیت رقم کی تو ہر طبقہ اور ہر فرد کی زبان کا اختلاف نمایاں کیا۔ انشاء پہلے شخص ہیں جنھوں نے عام زبان کو اس طبقاتی اور انفرادی خصوصیات

کے ساتھ رقم کیا۔ رانی کیتکی کی کہانی خالص ہندوستانی یا ہندی میں
لکھی گئی لکھنؤ میں اردو کو خالص ملکی زبان بنانے کی یہ خاص مثال ہے
ظاہر ہے کہ خالص ہندوستانی ایک ایسی ہی زبان ہو سکتی ہے جو
ظاہر میں تو سادا تھی مگر بنیادی طور پر بالکل بنا دٹی۔ اس معنی میں تو
یہ تصنیف محض تحریر ہے۔ مگر عام زبان کی طرف نظر نے یہ گل کھلایا
کہ اس تصنیف میں مکالموں کی صحیح زبان پیدا ہو گئی۔ یہاں ہر شخص،
اپنے طبقے، اپنی انفرادیت اور موقعہ سے مناسب زبان بولتا ہے۔
ہر ڈھنگ کی بات چیت رقم ہوتی ہے اور بالکل اسی طرح جسطرح
ناولوں میں چاہیئے ویسی ہی ہیں۔ جیسے داستانوں میں سب کی ایک
ہی زبان ہوتی ہے۔ انشار کی توجہ مختلف طبقوں اور پیشہ وروں
کی زبان کی طرف بہت گہری تھی۔ ان کی اس سلسلہ میں واقفیت
ان کی تصنیف " دریائے لطافت " سے بھی ظاہر ہے یوں اس امر
نے کہ تمام زبان نے مختلف رنگ اور اس کی مختلف نوعیتیں ہیں۔
اردو ناول نگاری پر گہرا اثر کیا ہے۔ یہ اثر بہت دور تک گیا ہے۔
اور اردو ناول نگاری کا سنگِ بنیاد ثابت ہوا ہے۔"

" رانی کیتکی " کی کہانی اپنے پلاٹ اور مافوق الفطرت کردار کیوجہ سے داستان ہے۔
اگر اس میں ناول کی کئی خوبیاں موجود بھی ہوں تو بھی یہ داستان ہی کہی جائے گی۔
انشار نے اس کہانی کو داستانی حیثیت بھی دی ہے۔ چنانچہ داستان میں جو
مختلف باب ہیں ان کے عنوانات بھی دیگر داستانوں کی طرز پر ترتیب دیے گئے
ہیں ہاں زبان اور مکالمہ کے سلسلہ میں احسن فاروقی کا خیال کسی حد تک صحیح ہے
رانی کیتکی کی کہانی یوں ہے:

" کنور اودے بھان راجہ سورج بھان اکلوتا بیٹا تھا۔
جوان اور خوبصورت ایک دن گھوڑے پر سوار ہو کر بغرض سیر و شکار

نکلا راستہ میں ایک ہرن نظر آئی۔ کنور نے اس کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا۔ اور تھوڑی دیر میں اپنے ساتھیوں سے جدا ہو کر ہرنی کا پیچھا کرتے کرتے شام ہو گئی۔ کنور اودے بھان بھوکا پیاسا کسی پناہ گاہ کی تلاش میں نظر دوڑا رہا تھا یکایک آم کے درختوں کا ایک جھنڈ نظر آیا۔ جب اس کے قریب پہنچا تو اس نے دیکھا کہ چالیس پچاس حسینائیں جھولا جھول رہی ہیں۔ کنور اودے بھان کو دیکھتے ہی ان میں کھلبلی مچ گئی۔ ہر طرف کون ہے، کون ہے۔ کا شور مچ گیا، اچانک ان کی سرتاج رانی کیتکی سے نگاہیں ملیں اور پہلی ہی نظر میں دونوں دل ہی دل میں ایک دوسرے پر عاشق ہو گئے لیکن سہیلیوں کو دکھانے کی غرض سے رانی "کنور" پر برس پڑیں:"

اس لگ چلنے کو بھلا کیا کہتے ہیں۔ بک نہ دھک جو تم جھٹ سے ٹپک پڑے یہ نہ جانا یہاں رنڈیاں اپنے جھول رہی ہیں۔ اجی تم اس روپ کے ساتھ بے دھڑک چلے آئے ہو۔ ٹھنڈے ٹھنڈے چلے جاؤ۔ کنور یہ سن کر اداس ہو گیا اور گذارش کی میں دن بھر کا تھکا ہارا مسافر ہوں۔ کسی پیڑ کی اوٹ میں رات کاٹ لوں گا اور علی الصباح منھ اندھیرے چلا جاؤں گا۔ اس پر کیتکی کنور کو سنا کر اپنی سہیلیوں سے بولی۔ ان سے کہہ دو جہاں جی چاہے اپنے پڑ رہیں اور جو کچھ کھانے پینے کو مانگیں انھیں پہنچا دو۔ گھر آئے کو کسی نے آج تک مار نہیں ڈالا ان کا چہرا اور ظاہری حالت انھیں سچا ثابت کرتی ہے، لیکن ہمارے اور ان کے درمیان کسی کپڑے کی اوٹ کر دو۔ یہ آسرا پا کر کنور نے ایک طرف آموں کے نیچے ڈیرا ڈال دیا لیکن دل میں آگ لگ چکی تھی وہ سو نہ سکا اُدھر یہی حالت کیتکی کی بھی تھی۔ اس نے اپنی خاص اور منھ لگی سہیلی مدن بان کو جگا کر اپنی حالت بیان کی۔ بھرپور

تعارف کرانے کے بعد پوچھا اب تم اپنے بارے میں بتاؤ۔ تم کس دیس
کے کون ہو۔ کنور نے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا اس کے بعد مدن بان
کے مشورے پر دونوں نے اپنی اپنی انگوٹھیاں بدل لیں بلکہ اقرار نامے
بھی لکھ کر ایک دوسرے کو دلا دیئے۔ صبح کیتکی اپنی سہیلیوں کے
ساتھ محل لوٹ گئی اور کنور اپنے لوگوں سے آملا۔

کیتکی کے جدا ہونے کے بعد کنور اودے بھان کی حالت غیر
ہوگئی۔ اس کا سکھ چین جاتا رہا۔ رات رات بھر جاگنا۔ نہ کھانے کا
ہوش نہ پہننے کا۔ ہوتے ہوتے یہ بات مہاراج تک پہنچی۔ انھوں
نے اودے بھان سے بہت پوچھا مگر شرم کے باعث کنور نے ان سے
کچھ نہیں بتایا آخر وہ اپنے دل کی حالت لکھ کر دینے پر راضی ہوا۔
اور پوری روداد لکھنے کے بعد رانی کیتکی کی انگوٹھی اور اقرار نامہ
دونوں اپنے والدین کے پاس بھیج دیا۔ جب راجہ سورج بھان کو
حقیقت کا علم ہوا تو اس نے کیتکی کے والدین کو شادی کا پیغام
بھجوایا۔ لیکن کیتکی کے والد راجہ جگت پرکاش نے جواب دیا۔
"ان کے ہمارے ناتا نہیں ہونے کا" ان کے باپ دادا ہمارے
داداؤں کے آگے سدا ہاتھ جوڑے باتیں کرتے تھے کیا ہوا؟ جو
اب وہ بڑھ گئے اور اونچے چڑھ گئے۔ اس کے ہم بائیں پاؤں کے
انگوٹھے سے ٹیکا لگا دیں وہ مہاراجوں کا راجہ ہو جاوے کس کا
منھ ہے جو یہ بات ہمارے منھ پر لاوے۔

پیغامبر کے اس جواب پر اگلے بھی کچھ ایسا ہی بے چارے
ہوئے ہیں۔ قید کر دیا گیا۔ جب یہ خبر راجہ سورج بھان کو پہنچی
تو اس نے جگت پرکاش پر چڑھائی کر دی۔ گھمسان کی لڑائی
ہونے لگی۔ اسی درمیان راجہ جگت پرکاش نے اپنے گرو جوگی مہندر گر

کو جو کیلاش پربت پر آندھی اور طوفان کی طرح آ پہنچا اور آتے ہی آتے اس نے سورج بھان، رانی کیتکی، لکشمی بان اور کنور اودے بھان کی پوری فوج جو نوے لاکھ تھی ہرن بنا دیا۔ جاتے جاتے وہ راجہ جگت پرکاش کو اپنا بگھمبر اور بھبھوت دے گیا کہ وقت ضرورت بگھمبر کی مدد سے مہندر گر کو بلایا جا سکے۔ بھبھوت کی خوبی یہ تھی کہ اس کو آنکھ میں لگا لینے کے بعد لگانے والا زمانے کی نظروں سے چھپ جاتا تھا۔ اسے کوئی نہیں دیکھتا تھا جب کہ وہ سب کو دیکھتا تھا۔ کچھ عرصے بعد کیتکی کسی طرح اپنی ماں سے وہ بھبھوت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ پہلے وہ مدن بان کو بھی بہلا پھسلا کر کنور اودے بھان کی تلاش میں لے جانا چاہتی تھی لیکن وہ نہ گئی۔ چنانچہ دوسری بار کیتکی اکیلی آنکھوں میں بھبھوت لگا کر کنور کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ رانی کیتکی کے والدین سخت پریشان ہوتے ہیں۔ آخر کار مجبور ہو کر مدن بان بھی آنکھوں میں بھبھوت لگا کر کیتکی کی تلاش میں نکل پڑی۔ دونوں سہیلیاں جنگل میں ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں۔ مدن بان کیتکی کو گھر لے آتی ہے۔ راجہ جگت پرکاش کیتکی کے آگے ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ اور پھر مہندر گر کو یاد کرتے ہیں۔ لیکن تلاش بسیار کے بعد بھی راجہ سورج بھان اودے بھان اور اس کی والدہ نہ مل سکیں۔ مہندر گر اپنے گرد راجہ اندر سنگھ سے مدد کا طالب ہوتا ہے اور اس کے مشورے اور منصوبے کے تحت سازندوں نے طرح طرح کے ساز سارنگی وغیرہ بجانا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جنگل کے سارے کے سارے ہرن کھنچ کر وہاں آ گئے۔ ان میں سورج بھان، کنور اودے بھان اور لکشمی باس بھی تھیں مہندر گر جادو کے زور سے

انھیں پھر اصلی شکل میں تبدیل کر دیا۔ اور اس نے کنور اودے بھان کو
اپنا بیٹا بنالیا اور اس کی شادی رانی کیتکی سے کر دیا اور کہانی اس
حسین روایت پر ختم ہو جاتی ہے کہ ان لوگوں کے دن پھریں اور
بچھڑے ہوئے ملیں ویسے ہمارے تمہارے دن پھریں۔

انشاء اللہ خاں انشاء کی یہ مختصر داستان جو کنور اودے بھان اور رانی کیتکی کے عشق پر مبنی ہے۔ رانی کیتکی اور کنور اودے بھان اس قصہ کے مرکزی کردار ہیں۔ ظاہر ہے قصہ اس نوعیت کا نہیں تھا کہ انشاء کوئی بھرپور جیتا جاگتا کردار پیش کر سکتے۔ دوسرے یہ کہ انشاء کا مقصد داستان کا بہترین نمونہ بھی پیش کرنا نہیں تھا۔ ان کا سارا زور تو زبان و بیان پر تھا۔ پھر بھی قصے کے لحاظ سے یہ سبھی کردار اپنی الگ الگ مزاج اور شناخت رکھتے ہیں۔ اودے بھان اور رانی کیتکی دونوں نہایت معصوم اور شریف النفس ہیں۔ دونوں میں قدیم ہندو گھرانے کا اخلاق اور شرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ دونوں نوجوان اور حسین ہیں۔ جوانی کے تقاضے دونوں کو یکساں طور پر متاثر کرتے ہیں۔ انشاء نے کنور کے تعارف میں لکھا ہے کہ " اکڑ تکڑ اسمیں بہت سی تھی کسی کو کچھ نہ سمجھتا تھا لیکن پوری کہانی میں کنور نے اکڑ تکڑ کچھ نہیں دکھائی شاید یہ بات انشاء نے روا روی میں لکھ دی۔

جیسا کہ شہزادوں کا شوق یا عادت ہوتی ہے کنور بھی شکار کا دلدادہ تھا رانی کیتکی سے ملنے کے بعد جب وہ واپس آتا ہے تو اس کی رات کی نیند اور دن کا چین رخصت ہو چکا ہوتا ہے، کھانے پینے کا ہوش بھی باقی نہیں رہتا مگر اس کے باوجود بھی وہ اپنے والدین سے اس واقعہ کا ذکر تو کیا اشارا بھی نہیں کرتا کھانے پینے کی سُدھ بُدھ نہ تھی لیکن فطری حیا بھی مانع تھی اور والدین کا پاس بھی۔ اسلئے اودے بھان راز اپنے والدین پر ظاہر نہیں کرتا، والدین کے کچھ اصرار کے باوجود خاموش رہتا ہے۔ بمشکل تمام حالات وہ والدین کو لکھ کر دینے کے لئے راضی ہوتا ہے لیکن اس شرط کے ساتھ "کہ میرے اس لکھے کو کسی ڈھب سے میرے منھ پر نہ لانا،،

اس کی شریف النفسی کا تقاضا ہی نہیں تھا کہ وہ ایسی بات زبان پر لاتا۔ وہ فطرتاً نیک اور امن پسند انسان تھا۔ کشت و خون سے اسے نفرت تھی۔ جب راجہ جگت پرکاش سے جنگ چھڑ جاتی ہے تو وہ مجبور ہو جاتا ہے۔ لیکن لڑائی میں شریک ہونے کے بجائے اور دیس کو نکل جانے کی سوچتا ہے۔ یہ اس کی معصومیت ہے شاید یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آسکی کہ اس کے کہیں اور بھاگ جانے سے لڑائی بند نہیں ہو جائیگی اس موقع پر کیتکی کے کردار کی پختگی بھی سامنے آئی ہے۔ چونکہ وہ کنور کے ساتھ کسی اور دیس بھاگ جانے کو تیار نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس سے ماں باپ کے نام کو بٹہ لگتا، وہ جان دے سکتی تھی مگر یہ کام نہ کر سکتی تھی۔ بہر حال اس کہانی میں عمل کا سب سے کم موقع کنور کو ملتا ہے۔ اس کے برعکس کیتکی کا کردار بہت فعال ہے اس کردار میں عمل اور حرکت کنور سے زیادہ ہے۔

"رانی کیتکی" اس کہانی کا مرکزی کردار ہے۔ اس سے پہلی ملاقات اس وقت ہوتی ہے جب کنور اودے بھان راستہ بھول کر پناہگاہ کی تلاش میں اس باغ تک پہنچتا ہے جہاں "کیتکی" اپنی سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی ہے۔ پہلی ہی ملاقات میں دونوں ایک دوسرے کے ہو جاتے ہیں۔ لیکن کچھ شرم، کچھ دکھلانے کی غرض سے کنور پر برس پڑتی ہے۔ جب کنور معذرت کرتا ہے تب "کیتکی" کے جواب سے نہ صرف اس کی فراخ دلی اور قدیم ہندوستانی روایت، پاسداری بلکہ مہمان نوازی کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ اور اس کی قوت مشاہدہ کی داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ " ان سے کہدو جہاں جی چاہے اپنے پڑ رہیں اور جو کچھ کھانے پینے کو مانگیں تو انھیں پہنچا دو " گھر آئے کو کسی نے آج تک مار نہیں ڈالا " ان کے منہ کا ڈول، گال تمتمائے، اور ہونٹ پر پپڑے۔ گھبراہٹ اور تھرتھراہٹ اور نڈھال ہو کر گر پڑنا ان کو سچا کرتا ہے لیکن جب وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو جاتی ہے تو " مدن بان " کو ساتھ لے کر کنور اودے بھان کے پاس پہنچتی ہے۔ یہاں بھی نسوانی فطری حیا مانع آئی ہے اور ساری گفتگو مدن بان کی معرفت ہوتی ہے۔

"رانی کیتکی" دوسری بار اس وقت سامنے آئی جب جنگ شروع ہو چکی ہوتی ہے۔ جب کنور اودے بھان مشورہ دیتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ کسی دوسرے دیس نکل چلے، لیکن رانی کیتکی چونکہ ایک مثالی شاہزادی ہے اس لئے وہ کنور کے لئے جان دینے کو تیار ہے لیکن اپنے والدین کے نام کو بٹہ لگانے کے لئے تیار نہیں ہے وہ فرض کو محبت پر ترجیح دیتی ہے اور اسے مقدم سمجھتی ہے۔ کنور کو جب ہرن بنا دیا جاتا ہے تو اسے بے پناہ دکھ اور اذیت کا احساس ہوتا ہے۔ اس کی حالت غیر ہو جاتی ہے وہ اپنا سارا حال "مدن بان" کے سامنے رکھتی ہے اور روتی ہے اور کنور کو ڈھونڈنے کا ارادہ ظاہر کرتی ہے اور کسی طرح "مہندر گر" کا دیا ہوا بھبھوت حاصل کر لیتی ہے وہ چاہتی تو یہ تھی کہ مدن بان بھی اس کی مدد کرے لیکن مدن بان کے انکار اور اس راز کو فاش کرنیکی دھمکی کو سنکر کیتکی اس بات کو ہنسی ٹھٹھول میں تبدیل کر دیتی ہے اس موقعہ پر رانی کیتکی کی حکمت عملی اور موقع شناسی سامنے آتی ہے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ادھر وہ گھر سے نکلے اور ادھر ان کا راز فاش ہو جائے۔ لیکن مدن بان کے انکار نے اس کے ارادے کو متزلزل نہیں کیا بلکہ وہ ایک نئے عزم اور حوصلے کے ساتھ اودے بھان کو تلاش کرنے نکل پڑتی ہے۔

حالانکہ وہ جانتی تھی کہ اودے بھان ہرن بن چکا ہے اس حال میں اس کا پہچاننا بھی ممکن نہیں لیکن اودے بھان کے بغیر سونی زندگی میں بھی تو چین نہیں۔ اس لئے اس کی تلاش میں وہ رات میں گھر سے نکل پڑتی ہے اور مدتوں بنوں کی خاک چھانتی ہے۔ ادھر ماں باپ کا اضطراب مدن بان کے لئے عذاب بن جاتا ہے وہ ایک اچھی دوست یا سہیلی کی طرح کیتکی کی تلاش میں نکل پڑتی ہے آخر کار دونوں سہیلیاں جنگل میں مل جاتی ہیں۔ بیٹی کے عزم کے سامنے جگت پرکاش کو جھکنا پڑتا ہے۔ اور انجام کار رانی کیتکی اپنی مراد کو پہنچتی ہے۔

مختصر یہ کہ کیتکی کے کردار میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ وہ نیک سیرت اور معصوم ہے، لیکن اس میں جوانی کی شوخی بھی موجود ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ چنچل

اور ذہین اور باحوصلہ اور پرعزم بھی ہے ۔ نسوانی حیا کے ساتھ اس کا وفا کا جذبہ بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہے ۔ رانی کیتکی کی کہانی پر تبصرہ کرتے ہوئے گیان چند لکھتے ہیں:

" انشار ایک آزاد منش آدمی تھے ۔ تکلف اور صنعت گری ان کے خمیر کے منافی تھی اس قصے میں انھوں نے سادگی اور بے تکلفی سے کام لیا ہے ۔ یہ سادگی، کردار نگاری اور جذبات نگاری دونوں ایک ہے ۔ رانی کیتکی کا کردار شاہکار ہے ۔ وہ پہاڑی دوشیزاؤں کی طرح اتنی صاف دل اور معصوم ہے کہ اپنے جی کی بات ہمیشہ بغیر پیچ وخم کے ادا کر دیتی ہے ۔ مثلاً کنور کو دیکھنے کے بعد رات میں اپنی سہیلی کو جگا کر اری او تونے کچھ سنا میرا جی اس پر آگیا ہے اور کسی ڈول سے نہیں تھم ٹھہل سکتا تو سب میرے بھیدوں کو جانتی ہے اب جو ہونی ہو سو ہو ۔ سر رہتا رہے جاتا رہے میں اس کے پاس جاتی ہوں تو میرے ساتھ چل ۔ میں تیرے پاؤں پڑتی ہوں ۔ کوئی سننے نہ پائے، اری سراجوڑا نہیں اور اس کے شانے والے ملادیا ہے میں اسی لئے ان امریوں میں آئی تھی اس وقت رانی کنور کے پاس جاتی ہے اور بغیر کسی گھماؤ پھراؤ کے اور چھیڑ چھاڑ کے ضلع جگت کے ایک دوسرے کا تعارف ہو جاتا ہے اور خفیہ ڈھنگ پر اس کی شادی ہو جاتی ہے ۔ دوسرے داستان نویس اس موقع پر ضرور گرما گرم لطیفوں فقرہ طرازیوں اور چھینٹوں کی بہار دکھاتے یہاں ہر کام صاف گوئی اور سنجیدگی سے ہو گیا ۔ کیونکہ جانبین کے دل سادہ و معصوم ہیں ۔ کیتکی کا اس طرح بیباکی سے حال دل کہنا اور پھر کنور کے پاس یک بیک پہنچنا کچھ حیرت خیز ضرور ہے لیکن رانی کے کردار کے پیشِ نظر اسے بے راہ روی یا بے حیائی نہیں کہا جا سکتا ۔ یہ عشق کی شدت کا

کرشمہ ہے دوسرے یہ کہ "کیتکی" گھما پھرا کر ناک پکڑنے کی قائل نہیں وہ جا کر سیدھی سادی طرح سے اعتراف عشق کرتی یا انگوٹھی بدلتی ہے اور چلی آتی ہے یہ نہیں کہ وہاں دورِ جام کے ساتھ دادِ عیش دی جانے لگی ہو۔ دل کے تمام ارمان نکال لئے گئے ہوں یا رانی کنور جی کے ساتھ فرار ہو گئی۔

کیتکی کی نسائی فطرت کی نرمی کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

"رانی کا باپ کنور کا پیغام عقد ٹھکرا دیتا ہے تو کنور کا باپ لڑائی کا اعلان کر دیتا ہے اس وقت رانی کیتکی کہتی ہے:

"یہ کیسی چاہت ہے جس میں لہو (لوہو) برسنے لگا۔"

انشاء نے اسی ایک جملے میں کتنے نشتر کتنی تلخ کامیاں اور کتنی بجلیاں بھر دی ہیں کیتکی کی طبیعت میں وفا کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہے جب کنور ہرن بن جاتا ہے تو وہ چپ چاپ گھر بار تج کر اس کی تلاش میں کھڑی ہوتی ہے۔ ایک عرصہ کے بعد اس کی سہیلی اس کو پا لیتی ہے اور اس کے والدین کو مطلع کرنا چاہتی ہے تو رانی کیتکی کو کوئی خوف یا جھجک نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ پاک اور معصوم ہے۔ اسے اپنی پاک دامنی پر بھروسہ ہے۔ انشاء نے اس ڈرامائی واقعہ کو جس خوبصورتی سے بیان کیا ہے وہ دوسرے داستان نویسوں کو شرمندہ کرتا ہے

مدن بان کا کردار اس کہانی کا سب سے زیادہ دل کش، جاندار اور فعال کردار ہے وہ کیتکی کی بچپن کی (گوئیاں) سہیلی ہے اس میں اور کیتکی میں کوئی پردہ نہیں۔ وہ کیتکی کی ہر بات اور ہر راز سے واقف ہے ساتھ ہی ساتھ وہ اس کی مشیر یا صلاح کار بھی ہے یہی وجہ ہے کہ کیتکی کے ہر کام میں وہ برابر کی شریک ہوتی ہے۔ وہ کیتکی کی ہم سن ہے۔ لیکن کیتکی سے زیادہ چنچل ہے۔ بے باک ذہین اور زیادہ باعمل ہے وہ ہر فیصلہ جذبات کو الگ رکھ کر کرتی ہے۔ اور صحیح راہِ عمل کے انتخاب کا ادراک بھی رکھتی ہے کہ اس کے نوجوان کندھوں

پر بوڑھا سر ہے، اس سے وہ موقع موقع پر کیتکی کو مناسب مشورہ بھی دیتی ہے۔
مدن بان کہانی میں پہلی بار اس وقت سامنے آتی ہے جب رانی کیتکی دل کے ہاتھوں سے مجبور ہو کر کنور سے ملنے جاتی ہے۔ کنور کے پاس پہنچ کر کیتکی تو شرم کے باعث خموش رہتی ہے۔ لیکن اس کی ترجمانی کا فرض مدن بان ادا کرتی ہے اور کنور سے بات چیت کرتی ہے۔ "تمہیں اکیلا جان کے رانی جی آپ آئی ہیں" لیکن اس کے باوجود کنور بھان خاموش رہتا ہے اور رانی کیتکی بھی اس خاموشی کو توڑنے کے لئے مدن بان دونوں کو گدگداتی ہے۔ یہ معاملہ (کچھ مصنوعی سا لگتا ہے) لیکن اس کے باوجود دونوں خاموش رہتے ہیں تو وہ رانی کا تعارف کراتی ہے" یہ راجا جگت پرکاش کی بیٹی ہے۔ ان کی ماں رانی "کام لتا" کہلاتی ہیں انھیں ہر ماہ میں ایک دن باغ میں جھولا جھولنے کے لئے آنے کی چھوٹ ہے اِسی غرض سے آج یہ یہاں آئی ہیں اور تم سے ملاقات ہوگئی ہے۔ صرف یہی نہیں وہ اپنی سہیلی کی برتری ثابت کرنے کے لئے کہتی ہے۔ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ یہ تم سے ملنے کے لئے آئی ہیں " بہت مہاراجاؤں کے کنوروں کی باتیں آئیاں کسی رانی کا دھیان نہ چڑھا" تمہارے دھن بھاگ جو تمہارے پاس تب سے چھپ کے مجھے اپنے ساتھ لے کر آئی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ کنور کا تعارف بھی چاہتی ہے
"اب تم کہو تم کون دیس کے کون ہو" اس ابتدائی گفتگو کے بعد جب معلوم ہوتا ہے کہ اودے بھان بھی کیتکی کی محبت میں گرفتار ہے تب وہ دونوں کو مشورہ دیتی ہے کہ وہ اپنی اپنی انگوٹھیاں تبدیل کر کے رشتہ پکا کرلیں شاید اسے زبانی قول و قرار پر یقین نہیں تھا۔ اس واقعہ سے بھی مدن بان کی دانشمندی جھلکتی ہے۔
"سو تو ہوا اب اپنی اپنی انگوٹھیاں ہیر پھیر کر لو اور آپس میں لکھوٹیں بھی لکھ دو پھر کچھ ہچر مچر نہ رہے" اس وہ انگوٹھیاں بھی ہیر پھیر کروا لیتی ہے اور لکھوٹیں بھی لکھوا لیتی ہے۔ یہاں کیتکی ذرا شوخی سے بھی کام لیتی ہے یعنی انگوٹھی پہناتے ہوئے کنور کی ہلکے سے چٹکی بھی لے لیتی ہے تو مدن بان فوراً ٹوک

دیتی ہے۔

"جو سچ پوچھو تو اتنی بھی بہت ہوئی۔ اتنا بڑھ چلنا اچھا نہیں سرے سر چوٹ ہے اب اٹھو چلو اور ان کو سونے دو یعنی مدن بان اس ملاقات کو ایک محدود دائرے سے باہر نکلنے نہیں دیتی۔"

مدن بان سے دوسری ملاقات اس وقت ہوتی ہے جب مہندر گر جادو کے زور سے کنور اودے بھان وغیرہ کو ہرن بنا دیتا ہے بے قراری اور جدائی کے عالم میں "کیتکی" اپنی سہیلی مدن بان سے اپنا دکھڑا روتی ہے اور بھبھوت بھی کسی چالاکی سے حاصل کر لیتی ہے اور چاہتی ہے کہ مدن بان بھی کنور کی تلاش میں اس کے ساتھ چلے لیکن مدن بان کو "کیتکی" کی تجویز میں کئی خامیاں نظر آتی ہیں وہ "کیتکی" سے کہتی ہے۔

"یہ مانا جو تم اپنی آنکھوں میں اس بھبھوت کا انجن کر لو گی اور میرے بھی لگا دو گی تو ہمیں اور تمہیں کوئی نہ دیکھے گا اور ہم تم سب کو دیکھیں گے اور جس کے لئے یہ سب کچھ ہے سو وہ کہاں، اور ہو دئے تو کیا جانے جو یہ رانی کیتکی جی اور یہ مدن بان ان کی سہیلی ہے۔"

لیکن اس کے بعد جو کچھ کہتی ہے وہ رانی کیتکی کے لئے ہی نہیں بلکہ پوری نئی نسل کے لئے نصیحت ہے۔

> "چولھے بھاڑ میں جائے یہ چاہت، جس کے لئے ماں، باپ، راج پاٹ، سکھ نیند لاج سب چھوڑ ندیوں کی کچھاروں میں پھرنا پڑے سو بھی بے ڈول ہے جو اپنے روپ میں ہوتے تو بھلا کچھ تھوڑا بہت آسرا تھا۔ نہ جی ہم سے نہ ہو سکے گا۔ جو مہاراج جگت پرکاش اور مہارانی کام لتا کا ہم جان بوجھ کر گھر اجاڑیں (نمک حلالی کی مثال ہے)"

یہاں پہنچ کر کیتکی تھوڑا سا بگڑ بھی جاتی ہے اور کیتکی کو دھمکی بھی دیتی ہے

لیکن اس غصے اور دھمکی کے پس منظر میں کیتکی کی محبت اور اس کی عافیت کی خواہش بھی پوشیدہ ہے۔

"اے جی اس دن تمہیں یہ بوجھ نہ آئی تھی جب ادنے اس مالن کے ہاتھوں تمہیں لکھ بھیجا تھا۔ بھاگ چلیں تب تو تاؤ بھاؤ دکھایا تھا اب جو کنور اودے بھان اور ان کے ماں باپ بن بن کے ہرن ہرنی ہے کیا جانے کدھر ہوں گے کہ ان کے دھیان پر وہ کر بیٹھے جو کسی نے تمہارے گھرانے میں نہیں کی اس بات پر ماٹی ڈالو نہیں تو بہت پچھتاؤ گی۔ مجھ سے تو کچھ نہ ہو سکے گا۔ تمہاری کچھ اچھی بات ہوتی تو جیتے جی میرے منھ سے نہ نکلتی پر یہ بات میرے پیٹ میں نہیں پچ سکتی تم بھی الھڑ ہو تم نے ابھی کچھ دیکھا نہیں جو اس بات پر سچ مچ تم کو ڈھلا دیکھوں گی۔ تو تمہارے ماں باپ سے کہہ کر وہ بھبھوت جو وہ "ابدھوت" دے گیا ہے ہاتھ مروڑ دا کے چھنوا لوں گی۔"

"مدن بان" سے تیسری ملاقات اس وقت ہوتی ہے جب کیتکی گھر سے نکل جاتی ہے۔ مدن بان اسے ڈھونڈتی ہے۔ کسی طرح دونوں سہیلیاں مل جاتی ہیں مدن بان کی تجویز پر رانی کیتکی والدین کے نام ایک خط لکھتی ہے اور اس کی کوششوں سے کنور اور کیتکی کی شادی ہو جاتی ہے۔ اس طرح مدن بان ایک سلجھی ہوئی، سنجیدہ اور تجربہ کار خاتون کی شکل میں سامنے آتی ہے۔ اور بقول عابد پیشاوری کے "الھڑ دوشیزہ کے بجائے بڑی بی معلوم ہونے لگتی ہے لیکن آخری ملاقات اس خیال کی تردید کیلئے کافی ہے۔ اس ملاقات سے معلوم ہوتا ہے کہ مدن بان جہاں سنجیدہ اور سلجھی ہوئی دوشیزہ ہے۔ وہیں چنچلتا چلبلاپن بھی اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ یہ عمر کا تقاضا بھی ہے۔"

بقول گیان چند جین:

"کتاب کے آخر میں کیتکی اور مدن بان کی بات چیت میں
دو شوخ لڑکیوں کی پر لطف رمز و کنائے بہترین ہیں۔"

عابد پیشاوری گیان چند جین کے اس خیال کی تائید کرتے ہوئے ایک نیا نکتہ بھی پیش کرتے ہیں۔

ان شوخ رمز و کنایات کا بہترین ہونا تسلیم لیکن ڈاکٹر صاحب نے اس چلمن سے جھانکتی ہوئی عریانی کو نظر انداز کر دیا خصوصاً رانی کیتکی کے منھ سے نکلا ہوا آخر سے پہلا شعر

مسکرا کر تب دلھن نے اپنے گھونگھٹ سے کہا
موگرا سا ہو کوئی کھولے تو تیری گلچھڑی

کیتکی کی ساری کہانی میں یہی ایک موقع ہے جہاں انشار کا قلم بے قابو ہوا ہے ورنہ اس سے پہلے کئی مواقع آئے جہاں انشار چاہتے تو کھل کھیلتے مگر ان کے مزاج کی افتاد کو دیکھتے ہوئے ان کا یہ ضبط قابل داد ہے۔

رانی کیتکی کی کہانی کے یہی تین بنیادی کردار ہیں۔ یعنی کنور اودے بھان، رانی کیتکی اور مدن بان ورنہ ویسے تو بہت کردار سامنے آتے ہیں مگر وہ بہت دیر تک ہماری آنکھوں کے سامنے نہیں رہتے وہ ضرور چند لمحوں کے لئے منظر پہ آتے ہیں اور غائب ہو جاتے ہیں ان کا کہانی میں ہونا یا سامنے آنا چونکہ کہانی کو آگے بڑھانے کے لئے ضروری تھا اسی لئے ایسے کردار تھوڑی دیر کے لئے سامنے آتے ہیں اور غائب ہو جاتے ہیں۔ ایسے تمام کردار اس کہانی میں اپنی شناخت نہیں بنا سکے ہیں۔

بہر حال بلاشبہ کردار کے لحاظ سے رانی کیتکی کی کہانی ایک دلچسپ اور مختصر داستان ہے۔ انشار نے جو دعوی کیا تھا وہ اپنے دعوے پر پوری طرح سے پورے اترے ہیں۔ آخر میں مسٹر ایل۔ کلنٹ (L. clint) کا ایک تبصرہ پیش ہے جو انھوں نے اسپرینگر کی ایما پر اس کہانی کے ایک حصّے کا انگریزی

میں ترجمہ کر کے ایشیائی سوسائٹی جرنل مطابق ۱۸۵۲ء میں چھپوایا۔ الفاظ یہ ہیں

"اس کی اہمیت (رانی کیتکی) اس کے اسلوب کی ندرت میں ہے۔ جو اگرچہ خالص اور نفیس اردو ہے دہلی اور لکھنؤ کے درباروں سے وابستہ مسلمان بھی اسے سمجھ سکتے ہیں تاہم اس میں ایک لفظ بھی فارسی کا لفظ نہیں ہے۔"

مختصر یہ کہ انشاء اپنے دعوے پر صدفی صد صحیح اترتے ہیں اسی سلسلہ میں اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ دیسی بولی، صاف اور چھن کر اردو زبان کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ لیکن اس خالص دیسی بولی میں عربی، ترکی اور فارسی زبان کے الفاظ یا اس کی پٹ بھی شامل ہے۔

داستان

رانی کیتکی اور کنور اودے بھان کی

سر جھکا کر ناک رگڑتا ہوں اُس اپنے بنانے والے کے سامنے جس نے ہم سب کو بنایا اور بات کی بات میں وہ سب کر دکھایا جس کا بھید کسی نے نہ پایا۔

آتیاں[1] جاتیاں جو سانسیں ہیں
اسکے بن دھیان سب یہ پھانسیں[2] ہیں

یہ کل[3] کا پتلا جو اپنے اس کھلاڑی کی سدھ رکھے تو کھٹائی[4] میں کیوں پڑے؟ اور کڑوا کسیلا کیوں ہو؟ اس پھل کی مٹھائی چکھے جو بڑوں سے بڑے اگلوں نے چکھی ہے۔

دیکھنے کو آنکھ دی اور سُننے کو یہ کان دیئے۔ ناک بھی اونچی سب میں کر دی موروتوں کو جی دان دیئے۔ مٹی کے باسن[5] کو اتنی سکت[6] کہاں جو اپنے کمہار کے کرتب کچھ بتا سکے؟ سچ ہے، جو بنایا ہوا ہو، سو اپنے بنانے والے کو کیا سراہے؟ اور کیا کہے؟ یوں جس کا جی چاہے پڑا بکے۔ سر سے لگا پاؤں تک جتنے رونگٹے ہیں جو سب کے سب بول اٹھیں اور سراہا کریں اور اتنے

---

[1] آتی جاتی [2] خار، کانٹا، [3] انسان [4] مصیبت میں پڑنا
[5] برتن [6] طاقت

جھنجلا کر کہا میں کچھ ایسا انوکھا بولا نہیں جو رائی کو پربت کر دکھاؤں۔ اور جھوٹ سچ بول کے اونگلیاں نچاؤں اور بے سری بے ٹھکانے کی اولجھی سلجھی باتیں سمجھاؤں۔ جو مجھ سے نہ ہو سکتا، تو بھلا یہ بات منہ سے کیوں نکالتا؟ جس ڈھب سے ہوتا اس بکھیڑے کو ٹالتا۔

اب اس کہانی کا کہنے والا یہاں آپ کو جتاتا ہے اور جیسا کچھ لوگ اوسے پکارتے ہیں کہہ سناتا ہے۔ دہنا[1] ہاتھ منہ پر پھیر کر آپ کو جتاتا ہوں۔ جو میرے داتا نے چاہا تو وہ تاؤ بھاؤ اور آؤ جاؤ اور کود پھاند اور لپٹ جھپٹ دکھاؤں جو دیکھتے ہی آپ کے دھیان کا گھوڑا، جو بجلی سے بھی بہت چنچل، اچھلاہٹ میں ہرنوں کے روپ میں ہے اپنی چوکڑی بھول جائے۔

گھوڑے پر اپنے چڑھ کے آتا ہوں میں

کرتب جو ہیں سو سب دیکھاتا ہوں میں

اوس[2] چاہنے والے نے جو چاہا تو ابھی

کہتا جو کچھ ہوں کر دیکھاتا ہوں میں

اب آپ کان رکھ کے سنمکھ[3] ہو کے ٹک ادھر دیکھئے کس ڈھب[4] سے بڑھ چلتا ہوں اور اپنے ان پھول کی پنکھڑی جیسے ہوٹوں سے کس کس روپ سے پھول اوگلتا ہوں۔

(کہانی کا اوبھار اور بول چال کی دولہن کا سنگار)

کسی دیس میں کسی راجہ کے گھر ایک بیٹا تھا۔ اوسے اوس کے ماں باپ اور سب گھر کے لوگ کنور اودے بھان کر کے پکارتے تھے۔ سچ مچ اوس کے جوبن[5] کی جوت[6] میں سورج کی ایک سوت[7] آ ملی تھی۔ اوس

---

[1] داہنا [2] اُس، [3] سامنے [4] طریقے [5] جوانی [6] روشنی [7] نہر، جھرنا

برسوں اسی دھیان میں رہیں جتنی ساری ندیوں میں ریت اور پھول پھلیاں کھیت میں ہیں تو بھی کچھ نہ ہو سکے۔

اس سر جھکانے کے ساتھی دن رات جپتا[1] ہوں اس داتا کے پہونچے ہوئے پیارے کو جس کے لئے یوں کہا ہے "جو تو نہ ہوتا میں کچھ نہ بناتا" اور اس کا چچیرا بھائی جس کا بیاہ اسی کے گھر ہوا اس کی سرت[2] مجھے لگی رہی ہے۔ میں بھولا اپنے آپ میں نہیں سماتا اور جتنے اُن کے لڑکے بالے ہیں انہیں کے یہاں پر چاؤ[3] ہے اور کوئی ہو، کچھ میرے جی کو نہیں بھاتا۔ مجھے اس گھرانے کے چھٹ کسی بے بھاگ اوچک چور ٹھگ سے کیا پڑی؟ جیتے مرتے انہیں سبھوں کا آسرا اور ان کے گھرانوں کا رکھتا ہوں تیسوں گھڑی۔

ڈول ڈال ایک انوکھی بات کا

ایک دن بیٹھے بیٹھے یہ بات اپنے دھیان میں چڑھ آئی کہ کوئی کہانی ایسی کہیے جس میں ہندوی چھٹ اور کسی بول سے پٹ[4] نہ ملے، تب جاکے میرا جی پھول کی کلی کے روپ سے کھلے۔ باہر کی بولی اور گنواری[5] کچھ اس کے بیچ نہ ہو۔ اپنے ملنے والوں میں سے ایک کوئی بڑے پڑھے لکھے پرانے دھرانے بوڑھے گھاگ یہ کھڑاگ لائے سر ہلا کر مونہ بنا کر ناک بھوں چڑھا کر آنکھیں پھرا کر لگے کہنے، یہ بات ہوتی دکھائی نہیں دیتی۔ ہندوی پن بھی نہ نکلے اور بھاکھا پن نہ ٹھوس جائے۔ جیسے بھلے لوگ اچھوں سے اچھے آپس میں بولتے چالتے ہیں جوں کا توں وہی ڈول رہے اور چھانہ[6] کسی کی نہ پڑے، نہ ہونے کا میں نے ان کی ٹھنڈی سانس کی پھانس[7] کا ٹھوکا کھا کر

---

[1] عبادت کرنا [2] یاد [3] چاہت [4] بالکل [5] دیہاتی
[6] طریقہ۔ ڈھنگ [7] سایہ [8] طنز [9] دھکا

کا اچھاپن اور بھلا لگنا کچھ ایسا نہ تھا جو کسی کے لکھنے اور کہنے میں آسکے۔ پندرہ برس بھر کے سولھے میں پانو رکھا تھا۔ کچھ یوں ہی سی اوس کی مسیں بھیگتی چلی تھیں۔ اکڑ تکڑ[1] اوس میں بہت سی سما رہی تھی، کسی کو کچھ نہ سمجھتا تھا۔ پر کسی بات کے سوچ[2] کا گھر گھاٹ پایا نہ تھا اور چاؤ[3] کی ندی کا پاٹ اُن نے دیکھا نہ تھا۔ ایک دن ہریالی دیکھنے کو اپنے گھوڑے پر چڑھ کے اٹکھیل[4] پنے اور لڑکپن کے ساتھ دیکھتا بھالتا چلا جاتا تھا۔ اتنے میں ایک ہرنی جو اس کے سامنے آئی، تو اس کا جی لوٹ پوٹ ہوا۔ اس ہرنی کے پیچھے سب کو چھوڑ چھاڑ کر گھوڑا پھینکا[5]۔ بھلا کوئی گھوڑا اوسکو پا سکتا تھا؟ جب سورج چھپ گیا اور ہرنی آنکھوں سے اوجھل ہوئی، تب تو یہ کنور اودے بھان بھوکھا پیاسا اور اوداماجامائیاں اور انگڑائیاں لیتا ہکا بکا ہو کے لگا آسرا ڈھونڈھنے۔ اتنے میں کچھ امریاں[6] دھیان چڑھیں، اودھر چل نکلا۔ تو کیا دیکھتا ہے؟ چالیس پچاس رنڈیاں[7] ایک سے ایک جوبن میں اگلی جھولا ڈالے ہوئے پڑی جھول رہی ہیں اور ساون گاتیاں ہیں۔ جو انھوں نے اوس کو دیکھا، تو کون؟ تو کون؟ کی چنگھاڑ سی پڑ گئی (اون سبھوں میں سے ایک کے ساتھ اس کی آنکھ لڑ گئی)

دوھا:

کوئی کہتی تھی یہ اوچکا[8] ہے
کوئی کہتی تھی ایک پکا ہے

وہی جھولے والی لال جوڑا پہنے ہوئے جس کو سب رانی کیتکی کہتے تھے، اوس کے بھی جی میں اس کی چاہ نے گھر کیا پر کہنے سننے کو اس نے بہت سے ناہ نوہ[9] کی۔ اسس الگ چلنے کو بھلا کیا کہتے ہیں؟ یک نہ یک جو

---

[1] غرور۔ دکھاوا [2] تکلف کے دن نہیں دیکھے تھے اور تکلف کے بارے میں کچھ جانتا تھا۔
[3] محبت سے آشنا نہ تھا [4] کھیل کھیل میں [5] گھوڑا دوڑایا [6] آم کے باغات [7] لڑکیاں
[8] چور [9] ہاں نہیں۔ ہچر مچر کرنا۔

تم جھٹ سے ٹپک پڑے[1] یہ نہ جانا جو یہاں رنڈیاں اپنی جھول رہی ہیں اجی تم جو اس روپ[2] کے ساتھ بیدھڑک چلے آئے ہو، ٹھنڈی ٹھنڈی چھانہہ[3] چلے جاؤ۔ تب انھوں نے مسوس کے ملولا کھا کے کہا کہ اتنی رکھائیاں[5] نہ دیجیے۔ میں سارے دن کا تھکا ہوا ایک پیڑ کی چھانہہ میں اوس کا بچاؤ کر کے پڑ رہوں گا بڑے تڑکے دھوند لکے اٹھ کر جدھر کو منہ پڑے گا چلا جاؤں گا۔ کسی کا لیتا دیتا نہیں۔ ایک ہرنی کے پیچھے سب لوگوں کو چھوڑ کر گھوڑا پھینکا تھا۔ جب تلک اوجالا رہا اوسی کے دھیان میں تھا۔ جب اندھیرا چھا گیا اور جی بہت گھبرا گیا، ان امریوں کا آسرا ڈھونڈھکر یہاں چلا آیا ہوں۔ کچھ روک ٹوک تو نہ تھی۔ جو ماتھا ٹھنک جاتا اور رک رہتا، سر اٹھائے ہانپتا ہوا چلا آیا۔ کیا جانتا تھا پدمنیاں[6] یہاں پڑی جھولتی، پینگیں چڑھا رہی ہیں۔ پر یوں ہی بدی[7] تھی، برسوں میں بھی جھولا کروں گا۔ یہ بات سُن کر جو لال جوڑے والی، سب کی سر دھری[8] تھی اُس نے کہا۔ ہاں جی بولیاں[9] ٹھولیاں نہ مارو۔ ان کو کہہ دو جہاں جی چاہے اپنے پڑ رہیں اور جو کچھ کھانے پینے کو مانگیں سو انھیں پہونچا دو۔ گھر آئے کو کسی نے آج تک مار نہیں ڈالا۔ ان منہ کا ڈول گال تمتمائے اور ہونٹھ پپڑائے اور گھوڑے کا ہانپنا اور جی کا کانپنا اور گھبراہٹ اور تھرتھراہٹ اور ٹھنڈی سانسیں بھرنا اور نڈھال ہو کر گرے پڑنا انکو سچا کرتا ہے۔ بات بنائی اور سچوٹی[10] کی کوئی چھپتی نہ ہے؟ پر ہمارے اور ان کے بیچ میں کچھ اوٹ سی کپڑے لتے کی کر دو۔ اتنا آسرا پا کے سب سے پرے کونے میں جو پانچ سات چھوٹے چھوٹے پودے سے تھے ان کی چھانہہ میں کنور اودے بھان نے اپنا بچھونا کیا۔

---

[1] آ گرے۔ آ گئے [2] شکل [3] سیدھے سادھے [4] فکر کر کے، رنج کر کے [5] بے رخی نہ برتیئے [6] لڑکیاں [7] قسمت میں لکھا تھا [8] مردار [9] برا بھلا نہ کہو [10] جھوٹی اور سچی بات نہیں چھپتی۔

سرہانے ہاتھ دھر کے چاہتا تھا سو رہے، پر نیند کوئی چاہت کی لگاوٹ کی میں آتی تھی؟ پڑا پڑا اپنے جی سے باتیں کر رہا تھا۔ اتنے میں کیا ہوتا ہے؟ جو رات سائیں سائیں بولنے لگتی ہے اور ساتھ والیاں سب سو رہتی ہیں، رانی کیتکی اپنی سہیلی مدن بان کو جگا کر یوں کہتی ہے۔ اری تو نے کچھ سنا ہے؟ میرا جی اس پر آگیا اور کسی ڈول سے نہیں تھم سکتا۔ تو سب میرے بھیدوں کو جانتی ہے، اب جو ہونی ہو سو ہو۔ سر رہتا رہے جاتا جاے، میں اُس کے پاس جاتی ہوں۔ تو میرے ساتھ چل، پر تیرے پاؤں پڑتی ہوں کوئی سننے نہ پاوے۔ اری یہ میرا جوڑا میرے اور اُس کے بنانے والے نے ملا دیا۔ میں اسی لئے ان امریوں میں آئی تھی۔ کیتکی مدن بان کا ہاتھ پکڑے وہاں آن پہنچتی ہے جہاں کنور اودے بھان لیٹے ہوئے کچھ سوچ میں پڑے پڑے بڑبڑا رہے تھے۔ مدن بان آگے بڑھ کے کہنے لگی۔ تمہیں اکیلا جان کے رانی آپ آئی ہیں۔ کنور اودے بھان یہ سُن کے اُٹھ بیٹھے اور یہ کہا کیوں نہ ہو جی سے[1] جی کو ملاپ ہے۔ کنور اور رانی دونوں چپ چاپ بیٹھے تھے، پر مدن بان دونوں کے بدن گدگدا رہی تھی ہوتے ہوتے اپنے اپنے پتے[2] سب نے کھولے۔ رانی کا بھید یہ کھلا۔ راجہ جگت پرکاس کی بیٹی ہیں اور ان کی ما رانی کام لتا کہلاتی ہیں۔ ان کو ما باپ نے ان سے کہدیا ہے ایک مہینے پیچھے امریوں میں جا کے جھول آیا کرو۔ آج وہی دن تھا سو تم سے مٹھ بھیڑ ہو گئی۔ بہت مہاراجوں کے کنوروں کی باتیں آئیاں[3] پر کسی پر ان کا دھیان نہ چڑھا۔ تمہارے دھن[4] بھاگ، جو تمہارے پاس سب سے چھپ کے میں جو ان کی لڑکپن کی گوئیاں[5] ہوں مجھے ساتھ اپنے لے کے آئیں ہیں۔

---

[1] دل کو دل سے راہ ہے [2] تاش کے پتے کی طرح راز [3] شادی کا پیغام [4] اچھی قسمت [5] سہیلی۔

اب تم اپنی کہانی کہو کہ تم کس دیس کے کون ہو۔ انھوں نے کہا میرا باپ راجہ سورج بھان اور ما رانی بھی باس ہے، آپس میں جو گٹھ جوڑا ہو جائے، تو انوکھی اچرج اور اچنبھے کی بات نہیں یوہیں آگے سے ہوتا چلا آیا ہے۔ جیسا[1] منہ ویسی تھپڑ، جوڑ توڑ ٹٹول لیتے ہیں۔ دونوں مہاراجوں کو یہ چٹ[2] چاہی بات اچھی لگے گی۔ پر ہم تم دونوں کے جی کا گٹھ جوڑا چاہیے۔ اس میں مدن بان بول اٹھی۔ سو تو ہوا اب اپنی اپنی انگوٹھیاں ہیر پھیر کر لو اور آپس میں لکھوٹی[3] بھی لکھ دو پھر کچھ ہچر مچر[4] نہ رہے کنور اودے بھان نے اپنی انگوٹھی رانی کیتکی کو پہنا دی۔ اور رانی کیتکی نے انگوٹھی کنور کی انگلی میں ڈال دی اور ایک دھیمی سی چٹکی بھی لے لی۔ اس میں مدن بان بول اٹھی۔ جو سچ پوچھو تو اتنی بھی بہت ہوئی اتنا بڑھ چلنا اچھا نہیں میرے سر چوٹ ہے۔ اب اوٹھ چلو اور ان کو سونے دو اور روئیں پڑے رونے دو۔ بات چیت تو ٹھیک ٹھاک ہو چکی تھی، پچھلے پہر سے رانی تو اپنی سہیلیوں کو لے کے جدھر سے آئی تھی ادھر چلی گئی اور کنور اودے بھان اپنے گھوڑے[5] کی پیٹھ لگ کر اپنے لوگوں سے مل کر اپنے گھر پہنچے۔ کنور جی کا انوپ روپ[6] کیا کہوں کچھ کہنے میں نہیں آتا۔ کھانا نہ پینا نہ لگ چلنا، کسی سے کچھ کہنا نہ سننا۔ جس دھیان میں تھے ادسی میں گھو بٹے رہنا اور گھڑی گھڑی کچھ کچھ سوچ سوچ سر دھننا۔ ہوتے ہوتے اس بات کا لوگوں میں چرچا پھیل گیا۔ کسی کسی نے مہاراج اور مہارانی سے بھی کہا کچھ دال میں[7] کالا ہے۔ وہ کنور اودے بھان جن سے تمھارے گھر کا اوجالا ہے ان دنوں کچھ اس کے برے تیور بے ڈول آنکھیں دیکھائی دیتی ہیں۔ گھر سے باہر پاؤں نہیں دھرتا۔ گھر والیاں جو کسی ڈول[8] سے بہلاتیاں ہیں تو اور کچھ نہیں کرتا ایک اونچی سانس لیتا ہے

---

[1] جیسے کو تیسا [2] دل پسند [3] لکھا پڑھی [4] شک و شبہہ [5] گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھکر [6] شکل خوبصورتی [7] کوئی خاص بھید ہے [8] طریقے

بہت کسی نے چھیڑا تو چھپر کھٹ[1] پر جا کے اپنا منہ لپیٹ کے آٹھ آٹھ آنسو[2] پڑا روتا ہے یہ سنتے ہی ماں باپ کنور کے پاس دوڑے آئے۔ گلے لگایا۔ منہ چوما پانو پر بیٹے کے گر پڑے، ہاتھ جوڑے اور کہا۔ جی کی بات ہے سو کہتے کیوں نہیں؟ کیا دکھ پڑا، جو پڑے پڑے کراہتے ہو؟ راج پاٹ جس کو چاہو دے ڈالو۔ کہو تو تم کیا چاہتے ہو۔ تمھارا جی کیوں نہیں لگتا؟ بھلا، وہ ہے کیا، جو ہو نہیں سکتا، مونھ سے بولو جی کھولو[3] جو کہنے میں کچھ سوچتے[4] ہو تو ابھی لکھ بھیجو۔ جو کچھ لکھو گے جوں کی توں وہی کر تمھیں دے جاویں گے۔ جو تم کہو کنویں میں گر پڑو تو ہم دونو ابھی گر پڑتے ہیں، جو کہو سر کاٹ ڈالو تو ابھی سر کاٹ ڈالتے ہیں۔ کنور اودے بھان وہ جو بولتے ہی نہ تھے انہوں نے لکھ بھیجنے کا آسرا پاکے اتنا بولے "اچھا آپ سدھارئے[5] میں لکھ بھیجتا ہوں۔ پر میرے اوس لکھ بھیجنے کو میرے منہ پر کسی ڈھب سے نہ لانا" نہیں تو میں شرماؤں گا۔ اسی لئے بکھ بات[6] ہو کے میں نے کچھ نہ کہا" اور یہ لکھ بھیجا۔" اب جو میرا جی ناک[7] میں آگیا اور کسی ڈھب نہ رہا گیا اور آپ نے مجھے سو سو روپ[8] سے کھولا اور بہت سا ٹٹولا، تب تو لاج چھوڑ کے ہاتھ جوڑ کے منہ کو پھوڑ کے گھگیا کے یہ لکھتا ہوں۔ جگ میں چاہ کے ہاتھوں کسی کو سکھ نہیں ہے۔ بھلا وہ کون ہے جس کو دکھ نہیں۔ وہ اس دن جو میں ہریالی دیکھنے کو گیا تھا، وہاں جو میرے سامنے ایک ہرنی کنوتیاں[9] اوٹھائے ہوئے ہولی تھی اس کے پیچھے میں نے گھوڑا بگ چھٹ[10] پھینکا، جب تک اوجالا رہا اسی کے دھن میں چلا گیا جب اندھیرا ہو گیا اور سورج ڈوبا تب جی میرا بہت اوداس ہوا۔ امریاں تاک کے میں اون میں گیا، تو

---

[1] چارپائی [2] زار و قطار رونا [3] دل کی بات کہو [4] جھجھک [5] جائیے [6] آپ کے منہ پر یا سامنے [7] ناک میں دم آنا [8] طرح طرح سے جانا [9] کان اٹھائے بھاگتی چلی جا رہی تھی [10] لگام ڈھیلی چھوڑ دینا

اون امریوں کا پتا پتا میرے جی کا گاہک ہوا، وہاں کا یہ سنجل ہے، کچھ رنڈیاں
جھولا جھول رہی تھیں۔ اون سب کی سرِدھری[1] کوئی رانی کیتکی مہاراجہ جگت
پرکاس کی بیٹی ہیں اونھوں نے یہ انگوٹھی اپنی مجھے دی اور میری انگوٹھی انہوں
نے لی اور لکھاوٹ بھی لکھ دی۔ سو یہ انگوٹھی اون کی لکھاوٹ سمیت میرے
لکھے ہوئے کے ساتھ پہنچتی ہے۔ آپ دیکھ لیجیے اور جس میں بیٹے کا جی رہ
جائے وہ کیجیے۔ مہاراج اور مہارانی اوس بیٹے کے لکھے ہوئے پر سونے
کے پانی سے یوں لکھتے ہیں۔ ہم دونوں نے اوس انگوٹھی اور لکھاوٹ کو
اپنے آنکھوں سے ملا۔ اب تم اپنے جی میں کچھ کڑھو مت۔ جو رانی کیتکی کے ماباپ
تمھاری بات مانتے ہیں تو ہمارے سمدھی اور سمدھن ہیں، دونو راج ایک
جاگہ[2] ہوجائیں گے اور جو کچھ ناہ نوہ[3] کی ٹھہرے گی تو جس ڈول[4] سے بن آوے گا
ڈھال تلوار کے بل تمھاری دلہن ہم تم سے ملادیں گے، آج سے اوداس
مت رہا کرو کھیلو کودو بولو چالو آنندیں کرو۔ ہم اچھی گھڑی سبھ مہورت
سوچ کے تمھارے سسرال میں کسی بامھن[5] کو بھیجتے ہیں جو بات چیت چاہی
ٹھیک کر لاوے بامھن جو سبھ گھڑی دیکھ کر ہڑبڑی سے گیا تھا اوس پر بڑی
کڑی[6] پڑی۔ سنتے ہی رانی کیتکی کے باپ نے کہا اون کے ہمارے ناتا[7] نہیں
ہونے کا، اون کے باپ دادے ہمارے باپ دادوں کے آگے سدا ہاتھ
جوڑ کے باتیں کرتے تھے اور جو تنک تیوری چڑھی دیکھتے تھے تو بہت ڈرتے
تھے، کیا ہوا جو اب وے بڑھ گئے اور اونچے[8] پر چڑھ گئے جس کے ماتھے
ہم بائیں پاؤں کے انگوٹھے سے ٹیکا لگادیں وہ مہاراجوں کا راجہ ہوجائے،
کس کا منہ جو یہ بات ہمارے منہ پر لائے۔ بامھن نے جل بھن کے کہا

---

۱ سردار ۲ ایک جگہ ہونا یا ایک ہونا ۳ نہیں یا انکار ۴ طریقے
۵ برہمن ۶ مشکل یا مصیبت آپڑی ۷ رشتے داری ۸ ہم بڑے ہوگئے۔

اگلے بھی اسی بچار میں تھے اور بھری سبھا میں یہی کہتے تھے۔ ہم میں اودن میں کچھ گوت[1] کا تو میل نہیں ہے پھر کنور کی ہٹ سے کچھ ہماری نہیں چلتی، نہیں تو ایسی اوچھی بات کب ہمارے منہ سے نکلتی؟ یہ سنتے ہی مہاراج نے باہمن کے سر پر پھولوں کی چھڑی پھینک ماری اور کہا جو باہمن کے ہتیا[2] کا دھڑکا نہ ہوتا تو تجھ کو ابھی چکی میں دلوا[3] ڈالتا۔ اس کو لے جاؤ اور ایک اندھیری کوٹھری میں موند[4] رکھو۔ جو اس باہمن پر بیتی سو سب کنور اودے بھان کے ماباپ نے سنتے ہی لڑن[5] کی ٹھان اپنے ٹھاٹھ[6] باندھ کر دل بادل جیسے گھر آتے ہیں چڑھ آیا جب دونوں مہاراجوں میں لڑائی ہونے لگی رانی کیتکی ساون بھادوں کے کے روپ[7] سے رونے لگی اور دونوں کے جی پر یہ آگئی یہ کیسی چاہت ہے جس میں لوہو برسنے لگا اور اچھی باتوں کو ترسنے لگا۔ کنور نے چپکے سے یہ لکھ بھیجا۔ "اب میرا کلیجا ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے دونوں مہاراجوں کو آپس میں لڑنے دو۔ کسی ڈول سے جو ہو سکے تو تم مجھے اپنے پاس بلالو، ہم تم دونوں مل کے کسی اور دیس کو نکل چلیں، جو ہونی ہو سو ہو۔ سر رہتا رہے جاتا جائے۔" ایک مالن جس کو پھول کلی کر سب پکارتے تھے اودن نے اس کنور کی چٹھی کسی پھول کے پنکھڑی میں لپیٹ سپیٹ کے رانی کیتکی تک پہنچادی۔ رانی نے اوس چٹھی سے آنکھیں اپنی ملیں اور مالن کو ایک تھال بھر کے موتی دئے اور چٹھی کی پیٹھ پر اپنے منہ کی پیک سے یہ لکھا۔ "اے میرے جی کے گاہک جو تو مجھے بوٹی بوٹی کر چیل کوے کو دے ڈالے تو بھی میری آنکھیں کو چین کلیجہ کو سکھ ہووے، پر یہ بات بھاگ چلنے کی اچھی نہیں، ڈول سے بیٹا بیٹی کے باہر ہے جی تجھ سے پیارا نہیں ایک تو کیا جو کروڑ جی جاتے رہیں پر بھاگنے کی کوئی بات

---

[1] خاندانی تعلق [2] قتل [3] پسوادیتا [4] بند کرنا [5] جنگ [6] گھنگھور گھٹا کی طرح چاروں طرف فوج چھا گئی [7] زاروقطار

ہمیں رہتی نہیں۔" یہ چھٹی پیک بھری جو کنور تک جا پہنچتی ہے وہ کئی ایک سونے کے ہیرے موتی پکھراج کے کچھا کھچ بھرے ہوئے تھال نچھاور کر کے لٹا دیتا ہے اور چھٹی سے اس کی بیکلی چوگنی پچگنی ہو جاتی ہے اور اس چھٹی کو اپنے گورسے ڈنڈ پر باندھ لیتا ہے۔

(آنا جوگی مہندر گر کا کیلاس پہاڑ سے اور ہرن ہرنی کر ڈالنا کنور اودے بھان اور اس کے باپ کا)

جگت پرکاس اپنے گرو کو جو کیلاس پہاڑ پر رہتا تھا۔ یوں لکھ بھیجتا ہے، کچھ ہماری سہائے کیجیے، مہا کٹھن ہم بپتا ماروں کو پڑی ہے، راجہ سورج بھان کو اب یہاں تک باد بھگ نے لیا ہے جو انھوں نے ہم سے مہاراجوں سے ناتے کا ڈول کیا ہے۔ کیلاس پہاڑ اکڈال چاندی کا ہے، اوس پر راجہ جگت پرکاس کا گرو جس کو اندر لوک کے لوگ سب مہندر گر کہتے تھے، دھیان گیان میں کوئی نوے لاکھ اتیتوں کے ساتھ ٹھاکر کے بھجن میں دن رات رہا کرتا تھا۔ سونا روپا تانبے رانگے کا بنانا تو کیا اور گٹکا موتھ میں لے کے اڑنا دور رہے، اس کی اور باتیں اس اس ڈھب کی دھیان میں تھیں۔ جو کچھ کہنے سننے سے باہر ہیں۔ مینہ سونے روپے کا برسا دینا اور جس روپ میں چاہنا ہو جانا سب کچھ اس کے آگے ایک کھیل تھا اور گانے میں مہادیو جی چھٹ سب اوس کے آگے کان پکڑتے تھے۔ سرسوتی جس کو ہندو کہتے ہیں آدھ شکتی، اون نے بھی اسی سے کچھ گنگنانا سیکھا تھا۔ اس کے سامنے چھ راگ چھتیس

---

۱ بازو ۲ مدد ۳ مصیبت کے ماروں کی ۴ عزور ۵ خالص چاندی کا بنا ہوا ۶ شاگرد، چیلوں ۷ اڑاتا تھا ۸ طرح طریقے ۹ آدی شکتی یعنی قدیمی مکمل طاقت

راگنیاں آٹھ پہر روپ بندھتوں[1] کا سا دھرے ہوئے اسکی سیوا میں ہاتھ جوڑے کھڑی رہتی تھیں۔ وہاں اتیتوں[2] کو یہ کہکر پکارتے تھے بھیرونگر، بھسبھاس گر ہنڈولگر، میگھ ناتھ۔ کدار ناتھ، دیپک داس، جوتی سروپ، سارنگ روپ اور اتیتیاں اس ڈھب سے کھلاتی تھیں، گوجری، توڑی، اساوری، گوری مالسری بلاول، جب جاہتا تھا ادھر میں سنگاسن پر بیٹھ اوڑاے پھرتا تھا اور نوے لاکھ اتیت گنکے اپنے اپنے منہ لئے ہوئے گیروے بستر پہنے جٹا بکھرے اس کے ساتھ ہوتے تھے۔ جس گھڑی راجہ جگت پرکاس کی چھٹی ایک بھگوے[3] پہونچتا ہے جوگی مہندر گر ایک چنگھاڑ مار کر دل بادلوں کو تہلکا دیتا ہے باگھمبر[4] پر بیٹھ بھبوت اپنے منہ کو مل کچھ کچھ پڑھنت[5] کرتا ہوا باؤ[6] کے گھوڑے کی بیٹھ پر لاگا اور سب اتیت مرگ چھالوں پر بیٹھے ہوئے گنکے منہ میں لئے ہوئے بول اٹھے "گورکھ جاگا" ایک آنکھ کی جھپک میں وہاں آن پہونچتا ہے جہاں دونوں مہاراجوں میں لڑائی ہو رہی تھی۔ پہلے تو ایک کالی آندھی آئی پھر اولے برسے پھر ایک بڑی آندھی آئی۔ کسی کو اپنی سدہ بدہ[7] نہ رہی ہاتھی گھوڑے اور جتنے لوگ اور بھیڑ بھاڑ راجہ سورج بھان کی تھی کچھ نہ سمجھا گیا کدھر گئی اونہیں کون اٹھالے گیا اور راجہ جگت پرکاس کے لوگوں پر اور رانی کیتکی جی کے لوگوں پر کیوڑے کی بوندوں کی ننھی ننھی پھار سی پڑنے لگی۔ جب یہ سب کچھ ہو چکا تو گرو جی نے اپنے اتیتوں سے کہہ دیا اودے بھان، سورج بھان، لچھمی باس ان تینوں کو ہرن ہرنی بنا کے کسی بن میں چھوڑ دو اور جو ان کے ساتھی ہوں ان سبھوں کو توڑ پھوڑ دو۔ جیسا کچھ گرو جی نے کہا جھٹ پٹ وہی کیا۔ بپت کا مارا کنور اودے بھان جی اور اس کا باپ مہاراجہ سورج بھان اور اس کی

---

[1] نوکروں کی طرح [2] شاگردوں [3] دوڑ کر پیغام پہچانے والا [4] شیر کی کھال [5] پڑھتا ہوا [6] ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر [7] سدہ بدہ۔ اپنی خیر

ما مہارانی پچھی باس ہرن ہرنی بن بن کی ہری ہری گھاس کئی برس تک چگتے[1]
رہے اور اوس بھیڑ بھڑکے کا تو کچھ تھل بیڑا نہ ملا جو کدھر گئی اور کہاں تھی۔ یہاں
کی یہاں ہی رہنے دو۔ آگے سنو اب رانی کیتکی کی بات اور مہاراجہ جگت
پرکاس کی سہتی[2] ان کے گھر کا گھر گرو جی کے پاؤں پر گرا اور سب نے سر جھکا کر کہا
مہاراج یہ آپ نے بڑا کام کیا ہم سب کو رکھ لیا جو آپ آج آنہ پہنچتے تو کیا رہا تھا،
سب نے مرمٹنے کی ٹھان لی تھی ان پاپیوں سے کچھ نہ چلے گی یہ جان لی تھی۔ راج
پاٹ سب ہمارا اب نچھاور کر کے جس کو چاہیے دے ڈالیئے۔ ہم سب کو ایت
بنا کے اپنے ساتھ لیجیے، راج ہم سے نہیں تھمتا[3]۔ سورج بھان کے ہاتھ سے آپ
نے بچایا اب کوئی ان کا چچا چندر بھان چڑھ آوے گا تو کیونکر بچنا ہوگا، اپنے
آپ میں تو سکت نہیں پھر ایسی راجہ کا پھٹے منہ[4]، ہم کہاں تک آپ کو ستایا کریں
گے یہ سُن کے جوگی مہندر گر نے کہا تم سب ہمارے بیٹا بیٹی ہو، انندیں کرو دندناؤ[5]
سکھ چین سے رہو، ایسا وہ کون ہے جو تمھیں آنکھ بھر کر اور ڈھب سے دیکھ سکے۔
یہ بگھمبر اور یہ بھبوت ہم نے تمھیں دیا آگے جو کچھ ایسی گاڑ[6] پڑے تو اس بگھمبر میں
سے ایک رونگٹا[7] توڑ کر آگ دھر کے پھونک دیجیو، یہ رونگٹا پھونکنے نہ پاوے
گا جو ہم آن پہنچیں گے۔ رہا بھبوت سو اس لیئے ہے جو کوئی چاہے جب
اسے انجن[8] کرے وہ سب کچھ دیکھ لے اور اسے کوئی نہ دیکھے، جو چاہے کر لے:
گرو مہندر گر جن کے پاؤں پوجیئے اور دھن مہاراج کہیئے ان سے تو کچھ چھپا د
نہیں، مہاراجہ جگت پرکاس ان کو مورچھل کرتے ہوئے رانیوں کے پاس لے
گئے۔ سونے روپے کے پھول ہیرے موتی گود بھر بھر سب نے نچھاور کیئے اور
ماتھے رگڑے۔ انھوں نے سب کی پیٹھیں ٹھوکیں۔ رانی کیتکی نے بھی ڈنڈوت

---

[1] چرتے رہے۔ کھاتے رہے [2] ٹھکانا [3] سب کے سب [4] سنبھلتا [5] غرور قابل خزاں [6] سیر و تفریح کرو [7] ضرورت [8] بال [9] سرمہ کی طرح آنکھ میں لگائے۔

کی پر جی ہی جی میں بہت سی گرو جی کو گالیاں دیں۔ گرو جی سات دن سات راتیں یہاں رہ کے راجہ جگت پرکاس کو سنگھاسن میں بٹھا کر اپنے اس بگھمبر پر اسی ڈول سے کیلاس پہاڑ پر آدھمکے۔ راجہ جگت پرکاس اپنے اگلے ڈھب سے راج کرنے لگے۔

(رانی کیتکی کا مدن بان کے آگے رونا پچھلی باتوں کا دھیان کر کے ہاتھ جی سے دھونا اپنی بولی کی دھن میں)

رانی کو بہت سی بے کلی تھی
کب سوجھتی وہ بری بھلی تھی
چپکے چپکے کراہتی تھی
جینا اپنا نہ چاہتی تھی
کہتی تھی کبھی اری مدن بان
ہے آٹھ پہر مجھے وہی دھیان
یاں پیاس کسے بھلا کسے بھوک
دیکھوں ہوں وہی ہرے ہرے روکھ[1]
ٹپکے کا ڈر ہے اب یہ کہتی
چاہت کا گھر ہے اب یہ کہتی
امریوں میں ان کا وہ اترنا
اور رات کا سائیں سائیں کرنا
اور چپکے سے اٹھ کے میرا جانا
اور تیری وہ چاہ کا جتانا

---

[1] ایک درخت

ان کی وہ اتار انگوٹھی لینی
اور اپنی انگوٹھی ان کو دینی
آنکھوں میں میری وہ پھر رہی ہے
جی کا جو روپ تھا وہی ہے
کیوں کر انھیں بھولوں کیا کروں میں
ماں باپ سے کب تلک ڈروں میں
اب میں نے سنا ہے اے مدن بان
بن بن کے ہرن ہوئے اودے بھان
چرتے ہوں گے ہری ہری دوب
کچھ تو بھی پسیج سوچ میں ڈوب
میں اپنی گئی ہوں چوکڑی بھول
مت مجھ کو سونگھا یہ ڈھنڈے[1] پھول
پھولوں کو اٹھا کے یہاں سے لے جا
سو ٹکڑے ہوا میرا کلیجا
بکھرے جی کو نہ کر اکٹھا
ایک گھاس کا لا کے رکھ دے گٹھا
ہریالی اسی کی دیکھ لوں میں
کچھ اور تو تجھ کو کیا کہوں میں
ان آنکھوں میں ہے بھڑک ہرن کی
پلکیں ہوئیں جیسی گھاس بن کی
جب دیکھئے ڈبڈبا رہی ہیں
اوسیں آنسو کی چھا رہی ہیں

---

[1] تازہ پھول

یہ بات جو جی میں گڑ گئی ہے
ایک اوس سی مجھ پہ پڑ گئی ہے

اسی ڈول سے جب اکیلی ہوتی تھی تب مدن بان کے ساتھ ایسے ہی موتی پروتی[1] تھی۔

(بھبوت مانگنا رانی کیتکی کا اپنی ماں رانی کام لتا سے آنکھ مچول کھیلنے کے لئے اور روٹھ رہنا اور راجہ جگت پرکاس کا بلانا اور پیار سے کچھ کچھ کہنا اور وہ بھبوت دینا)

ایک رات رانی کیتکی نے اپنی ماں کام لتا سے بھلاوے[2] میں ڈال کے یہ پوچھا گرو جی گسائیں مہندر گر نے جو بھبوت باپ کو دیا تھا وہ کہاں رکھا ہوا ہے اور اس سے کیا ہوتا ہے۔ اس کی ماں نے کہا میں تیری واری تو کیوں پوچھتی ہے۔ رانی کیتکی کہنے لگی آنکھ مچول کھیلنے کے لئے چاہتی ہوں، جب اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیلوں اور چور بنوں تو کوئی مجھ کو پکڑ نہ سکے۔ رانی کام لتا نے کہا وہ کھیلنے کے لئے نہیں ہے۔ ایسے لٹکے[3] کسی برے دن کے سنبھال لینے کو ڈال رکھتے ہیں۔ کیا جانے کوئی گھڑی کیسی ہے، کیسی نہیں۔ رانی کیتکی اپنی ماں کی اس بات سے اپنا منہ تھتھا[4] کے اٹھ گئی اور دن بھر بن کھائے پیئے پڑی رہی۔ مہاراج نے جو بلایا تو کہا مجھے رُچ[5] نہیں۔ تب رانی کام لتا بول اٹھیں اجی کچھ تم نے سنا بھی، بیٹی تمہاری آنکھ مچول کھیلنے کے لئے وہ بھبوت گرو جی کا دیا ہوا مانگتی تھی۔ میں نے نہ دیا اور کہا لڑکی یہ لڑکپن کی باتیں اچھی نہیں،

---

[1] روتی تھی [2] بہانے سے [3] چیز [4] منہ پھلا کر
[5] خواہش۔ شوق

کسی بڑے دن کے لئے گرو جی دے گئے ہیں۔ اسی پر مجھ سے روٹھی ہے، بہتیرا بہلاتی پھسلاتی ہوں، مانتی نہیں مہاراج نے کہا بھبوت تو کیا مجھے تو اپنا جی بھی اس سے پیارا نہیں، اس کی ایک گھڑی بھر کے بہل جانے پر ایک جی تو کیا جو لاکھ جی ہوں تو دے ڈالئے، رانی کیتکی کو ڈبیا میں سے تھوڑا سا بھبوت دیا۔ کئی دن تلک آنکھ مچول اپنے ماں باپ کے سامنے سہیلیوں کے ساتھ کھیلتی، سب کو ہنساتی رہتی، جو سو سو تھال موتیوں کے پچھاور ہوا کئے کیا کہوں ایک چہل تھی جو کہئے تو کروڑوں پوتھیوں میں جیوں کے تیوں نہ آسکے۔

(رانی کیتکی کا چاہت سے بیکل ہوا پھرنا اور مدن بان کا ساتھ دینے سے نہیں کرنا)

ایک رات رانی کیتکی اسی دھیان میں اپنی مدن بان سے کہہ اٹھی اب میں نگوڑی لاج سے کٹ گرتی ہوں تو میرا ساتھ دے۔ مدن بان نے کہا کیوں کر، رانی کیتکی نے وہ بھبوت کا لینا اسے جتایا اور یہ سنایا سب یہ آنکھ مچول کی چہلیں میں نے اسی دن کے لئے کر رکھیں تھیں۔ مدن بان کہنے لگی میرا کلیجہ تھرتھرانے لگا اے یہ مانا تم اپنی آنکھوں میں اس بھبوت کا انجن کرو گی اور میرے بھی لگا دو گی تو ہمیں تمھیں کوئی نہ دیکھے گا اور ہم تم سب کو دیکھیں گے۔ پر ایسے ہم کہاں سے جی چلے ہیں جو بن لئے ساتھ جوبن ساتھ بن بن بھٹکا کریں اور ہرنوں کے سینگوں میں دونوں ہاتھ ڈال کے لٹکا کریں اور جس کے لئے یہ سب کچھ ہے سو وہ کہاں اور ہووے تو کیا جانے جو یہ رانی کیتکی جی اور یہ

لہ ماں باپ نے روما ل پچھاور کیئے ٹہ کروڑوں کتابوں
ٹہ ہمارے دماغ ایسے کہاں خراب ہوئے ٹہ جو بغیر کسی کے ساتھ لئے ٹہ جوانی کے ساتھ
ٹہ جنگل جنگل

مدن بان نگوڑی بچی کھسوٹی ان کی سہیلی ہے۔ چولھے اور بھاڑ میں جائے یہ چاہت۔ جس کے لئے ماں باپ راج پاٹ سکھ نیند لاج کو چھوڑ کر ندی کے کچھاڑوں[1] میں پھرنا پڑے سو بھی بے ڈول[2] جو وہ اپنی روپ میں ہوتے تو بھلا تھوڑا بہت کچھ آسرا تھا۔ نہ جی یہ ہم سے نہ ہو سکے گا، مہاراج جگت پر کاس اور مہارانی کام لتا کا ہم جان بوجھ کر گھر اجاڑیں اور بہکا کے ان کی بیٹی جو اکلوتی لاڈلی ہے اس کو لے جادیں اور جہاں تہاں اسے بھٹکا[3] بنا س[4] پی کھلادیں اور اپنے چونڈے[5] کو ہلادیں۔ لے جی اس دن تمہیں یہ بوجھ نہ آئی تھی جب تمہارے اور اس کے ماں باپ میں لڑائی ہو رہی تھی۔ اس نے اس مالن کے ہاتھ تمھیں لکھ بھیجا تھا بھاگ چلیں تب تو اپنی منہ کی پیک سے اس کی چٹھی کی پیٹھ پر جو لکھا تھا سو کیا بھول گئی۔ تب تو وہ تاؤ بھاؤ دکھایا تھا اب جو وہ کنور اودے بھان اور ان کے ما باپ تینوں جنے بن بن کے ہرن ہرنی بنے ہوئے کیا جانئے کدھر ہونگے کہ ان کی دھیان پر وہ کر بیٹھی جو کسی نے تمھارے گھرانے بھر میں نہیں کی اس بات پر ماٹی ڈال[6] دو نہیں تو پچھتاؤ گی اور اپنا کیا پاؤ گی۔ مجھ سے تو کچھ نہ ہو سکے گا۔ تمھاری کچھ اچھی بات ہوتی ہو تو جیتے جی میرے منہ سے نہ نکلتی پر یہ بات میرے پیٹ میں نہیں پچ سکتی۔ تم ابھی الھڑ ہو تم نے کچھ دیکھا نہیں جو اسی بات پر تمھیں سچ مچ ڈھلتا دیکھوں گی تو تمھارے ما باپ سے کہہ کر وہ بھبوت جو موا نگوڑا بھوت مچھندر کا پوت ابدھوت[7] دے گیا ہے ہاتھ مروڑوا کے چھنواؤں گی۔ رانی کیتکی نے یہ رکھائیاں مدن بان کی سُن کر ہنس کے ٹال دیا اور کہا جس کا جی ہاتھ میں نہ ہو وہ ایسی ایسی لاکھوں سوچتی ہے پر کہنے اور کرنے سے بہت سا پھیر ہے، یہ بھلا کوئی اندھیر ہے، جو ماں باپ

---

[1] جنگل جھاڑی۔ ندی کا کنارہ [2] بے طاقتی کے ساتھ [3] گھاس [4] سر ہلائیں۔ گھومیں [5] دفن کر دو [6] بٹیا

کو چھوڑ ہرنوں کے لئے پڑی دوڑتی پھروں پرارے تو بڑی باولی چڑیا ہے جو تو نے یہ بات ٹھیک ٹھاک کر جان لی اور مجھ سے لڑنے لگی۔

(رانی کیتکی کا بھبوت آنکھوں میں لگا کر گھر سے باہر نکل جانا اور سب چھوٹے بڑوں کا تلملانا)

دس پندرہ دن پیچھے ایک رات رانی کیتکی بن کہے مدن بان کے وہ بھبوت آنکھوں میں لگا کر گھر سے باہر نکل گئی اور کچھ کہنے میں نہیں آتا جو ماں باپ پر ہوئی۔ یہ بات ٹھہرادی گرو جی نے کچھ سمجھ کر رانی کیتکی کو اپنے پاس بلالیا ہوگا۔ مہاراجہ جگت پرکاس اور مہارانی کام لتا راج پاٹ سب کچھ اس بروگ[1] میں چھوڑ چھاڑ ایک پہاڑ کی چوٹی پر جا بیٹھے اور کسی کو اپنے لوگوں میں سے راج تھامنے کے لئے چھوڑ آئے۔ تب مدن بان نے وہ سب باتیں کھولیاں رانی کیتکی کے ماں باپ نے یہ کہا ارے مدن بان جو تو بھی اس کے ساتھ ہوتی تو کچھ ہمارا جی ٹھہرتا۔ اب جو وہ تجھے لے جائیں تو، تو کچھ ہچر مچر نہ کیجیو، ان کے ساتھ ہولیجیو۔ جتنا بھبوت ہے تو اپنے پاس رکھ ہم کیا اس راکھ کو چولھے میں ڈالیں گے۔ گرو جی نے تو دونوں راجوں کا کھوج کھو دیا۔ کنور اودے بھان اور اس کے ماں باپ دونوں بے ٹھور[3] رہے اور جگت پرکاس اور کام لتا کو یوں تلپٹ[4] کیا۔ بھبوت نہ ہوتا تو یہ باتیں کاہے کو سامنے آتیں۔ ندان[5] مدن بان بھی ان کے ڈھونڈھنے کو نکلی۔ انجن لگائے ہوئے کیتکی، رانی کیتکی کہتی ہوئی چلی جاتی تھی۔ بہت دنوں پیچھے کہیں رانی کیتکی بھی ہرنوں کے ڈاروں میں اودے بھان، اودے بھان چنگھاڑتی ہوئی آنکلی جو ایک نے

---

[1] ہجر [2] حکومت کرنے [3] بے ٹھکانہ [4] کیا سے کیا کر دیا [5] بے چاری

ایک کو تاڑ کر یوں پکارا اپنی اپنی آنکھیں دھو ڈالو، ایک ڈبرٹے پر بیٹھ کر دونوں کی مٹ بھیڑ ہوئی، گلے مل کے ایسی روئیاں جو پہاڑوں میں کوک سی پڑ گئی۔

دوہا اپنی بولی کا

چھا گئی ٹھنڈی سانس جھاڑوں میں
پڑ گئی کوک سی پہاڑوں میں

دونوں جنیاں ایک ٹیلے پر اچھی سی چھاؤں تاڑ کے آ بیٹھیاں اپنی اپنی باتیں دہرانے لگیں۔

(بات چیت رانی کیتکی کی مدن بان سے)

رانی کیتکی نے اپنی بیتی سب کہی اور مدن بان وہی اگلا جھینکنا جھینکا کی اور ان کے ماں باپ نے ان کے لئے جو جوگ سادھا اور جو بروگ لیا تھا سب کہا۔ جب مدن بان یہ سب کہہ چکی تو پھر ہنسنے لگی۔ رانی کیتکی یہ دوہا لگی پڑھنے۔

ہم نہیں ہنسنے کو رکتے جس کا جی چاہے ہنسے
ہے وہی اپنی کہاوت آ پھنسے جی آ پھنسے
اب تو اپنے پیچھے سارا جھگڑا اجھانٹا لگ گیا
پاؤں کا کیا ڈھونڈھتی ہے جی میں کانٹا لگ گیا

مدن بان کچھ رانی کیتکی کے آنسو پونچھتے سے چلی۔ ان نے یہ بات ٹھہرائی جو تم کہیں ٹھہرو تو میں تمھارے اُجڑے ہوئے ماں باپ کو چپ چاپ یہیں لے آؤں اور انھیں سے یہ بات ٹھہراؤں۔ گسائیں مہندر گر جس کے

---

[1] تالاب [2] شور مچ گیا [3] چھاؤں۔ سایہ [4] آپ بیتی سنا کر رونا۔ اپنا دکھڑا رونا [5] فقیری لے لیا [6] طے کرنا۔ راضی کرنا

یہ سب کرتوت ہیں وہ بھی انہیں دونوں اجڑے ہوؤں کی مٹھی میں ہے۔ اب بھی جو میرا کہا تمھارے دھیان چڑھے تو گئے ہوئے دن پھر بھر سکتے ہیں، پر تمھاری کچھ بھاوتی[1] نہیں، ہم کیا پڑے بکتے ہیں۔ میں اس پر بیڑا اٹھاتی ہوں۔ بہت دنوں میں رانی کیتکی نے اس پر اچھا کہا اور مدن بان کو اپنے ماں باپ کے پاس بھیجا اور چٹھی اپنے ہاتھ سے لکھ بھیجی جو آپ سے کچھ ہو سکے تو اس جوگی سے یہ ٹھہرا کے آدیں۔

(مہاراج اور مہارانی کے پاس مدن بان کا پھر آنا اور چت چاہی بات کا سنانا)

مدن بان رانی کیتکی کو چھوڑ کر راجہ جگت پرکاس اور رانی کام لتا جس پہاڑ پر بیٹھے ہوئے تھے وہاں جھٹ سے آدیس[2] کر کے آکھڑی ہوتی ہے اور کہتی ہے لیجئے آپ کا گھر نئے سر سے بسا اور اچھے دن آئے رانی کیتکی کا ایک بال بھی بیکا نہ ہوا، انھیں کے ہاتھ کی یہ چٹھی لائی ہوں آپ پڑھ لیجئے آگے جو چاہیے سو کیجئے۔ مہاراج نے اسی بگھمبر میں سے ایک رونگٹا توڑ کر آگ پر دھر دیا۔ بات کی بات میں گسائیں مہندر گر آپہنچے اور جو کچھ یہ نیا سانگ[3] جوگی اور جوگن کا آیا تھا آنکھوں دیکھا۔ سب کو چھاتی سے لگایا اور کہا بگھمبر اسی لئے میں سونپ گیا تھا جو تم پر کچھ ہووے تو اس کا ایک رونگٹا پھونک دیجیو۔ تمہارے گھر کی یہ گت[4] ہو گئی اب تک تم کیا کر رہے تھے اور کن نیندوں سو رہے تھے۔ پر تم کیا کرو وہ کھلاڑی جو روپ[5] چاہے سو دیکھا دے، جو جو ناچ چاہے سو نچا دے، بھبوت لڑکی کو کیا دینا تھا ہرن ہرنی اودے بھان اور

---

[1] پسند نہ آنا [2] سلام، حکم لیکر [3] روپ [4] حالت
[5] خدا جو چاہے سو کرے۔

سورج بھان اس کے باپ کو اور لچھمی باس کو میں نے کیا تھا، میرے آگے ان تینوں کو جیسے کا تیسا کرنا کچھ بڑی بات نہ تھی۔ اچھا، ہوئی سو ہوئی۔ اب چلو اٹھو، اپنے راج پر براجو[1] اور بیاہ کا ٹھاٹھ کرو۔ اب تم اپنی بیٹی کو سمیٹو، کنور اودے بھان کو میں نے اپنا بیٹا[2] کیا اور اس کو لے کے میں بیاہنے چڑھوں گا۔

مہاراج یہ سنتے ہی اپنے راج کی گدی پر آبیٹھے اور اسی گھڑی کہہ دیا سارے چھتوں کو اور کوٹھوں کو گوٹے سے منڈھ لو اور سونے روپے کے رو پہلے سنہرے سب جھاڑ اور پہاڑوں پر باندھ دو اور پیڑوں میں موتی کی لڑیاں گوندھو اور کہہ دو چالیس دن چالیس رات تک[3] جس گھر ناچ آٹھ پہر نہ رہے گا اس گھر والے سے میں روٹھ رہوں گا اور جانوں گا یہ میرے دکھ سکھ کا ساتھی نہیں۔ چھ مہینے جد[3] کوئی چلنے والا کہیں نہ ٹھہرے اور رات دن چلا جائے اس ہیر پھیر میں وہ راج سب کہیں تھا۔ یہی ڈول ہو گیا۔

(جانا مہاراج اور مہارانی اور گسائیں مہندر گر کا رانی کیتکی کے لینے کے لئے)

پھر گرو جی اور مہاراج اور مہارانی، مدن بان کے ساتھ وہاں آپہنچے جہاں رانی کیتکی چپ چاپ سُن[4] کھنچی بیٹھی تھی۔ گرو جی نے رانی کیتکی کو اپنے گود میں لے کے کنور اودے بھان کا چڑھاوا چڑھا دیا اور کہا تم اپنے ماں باپ کے ساتھ اپنے گھر سدھارو، اب میں اپنے بیٹے کنور اودے بھان کو لئے آتا ہوں۔ گرو جی گسائیں جن کو ڈنڈوت ہے سو تو یوں سدھارتے ہیں آگے جو ہوگی سو کہنے میں آوے گی۔ یہاں کی یہ دھوم دھام اور پھیلاوا[5] دھیان کیجئے۔ مہاراجہ جگت پرکاس نے اپنے سارے دیس میں کہا

---

[1] تخت افروز ہو [2] بیٹا بنایا [3] تک [4] چپ چاپ [5] وسعت

یہ پکار دیں جو یہ نہ کرے گا اس کی بُری گت ہو گی۔ گانویں آمنے سامنے ترپولیے بنا بنا کے سوہے کپڑے ان پر لگا دو اور گوٹ دھنک کی اور گوکھرو روپہلی سنہری اور کرنیں اور ڈانک ٹانک ٹانک رکھو اور جتنے بڑھ پیپل کے پرانے پرانے پیڑ جہاں جہاں ہوں ان پر گوٹوں کے پھولوں کے سہرے ہرے بھرے ایسے جن میں سر سے لگا جڑ تک ان کی ٹھلک اور جھلک پہونچے باندھ دو۔
پودوں نے رنگا کے سوہے جوڑے پہنے، سو پانوں ڈالیوں نے توڑے پہنے؛ بوٹی بوٹی نے پھول پھل کے گہنے، جو بہت نہ تھے تو تھوڑے تھوڑے پہنے، جتنے ڈھڈھے اور ہریاول میں لہلہے پات تھے اپنے اپنے ہاتھ میں جیجی مہندی کی چاوٹ سجاوٹ کے ساتھ جتنی سماوٹ میں سما سکی کر لی اور جہاں تک نول بیاہی دلہن ننھی ننھی پھلیوں کے اور سہاگنیں نئی نئی کلیوں کے جوڑے پنکھڑیوں کے پہنے ہوئی تھیں، سب نے اپنی اپنی گود سہاگ پیار کے پھول اور پھلوں سے بھر لی اور تین برس کا بیسا جو لوگ دیا کرتے تھے اس راجہ کے راج بھر میں جس جس ڈھب سے ہو اکھیتی باڑی کر کے، ہل جوت کے اور کپڑا لتا بیچ کھوچ کے، سو سب ان کو چھوڑ دیا۔ اپنے گھروں میں بناؤ کے ٹھاٹھ کریں اور جتنے راج بھر میں کوئیں تھے کھنڈ سالوں کی کھنڈ سالیں لے جا ان میں انڈیلیں گئیں اور سارے بنوں میں اور پہاڑ تلیوں میں لال ٹینوں کی بہار جھم جھماہٹ راتوں کو دیکھائی دینے لگے اور جتنی جھیلیں تھیں ان سب میں کسم اور ٹیسو اور ہار سنگار تیر گیا اور کیسری بھی تھوڑی تھوڑی گھولنے میں آگئی اور پھننگ سے لگا جڑ تک جتنے جھاڑ جھنکاڑوں میں پتے اور پتوں کے بندھے چھوٹے تھے ان میں روپہلے سنہرے ڈانک گوند لگا لگا کے چپکا دئے اور کہہ دیا گیا جو سوہی پگڑی اور سوہے باگے بن کوئی کسی ڈول کسی روپ

---

۱ حالت ۲ لال کپڑا ۳ باغ۔ جنگل وغیرہ ۴ شکر کے برادی ۵ چوٹی سر

سے نہ پھرے چلے اور جتنے گوٹے[1] پنجوے بھانڈ بھگتیے، ڈھاڈی، راس دہاری اور سنگیت ناچتے ہوئے ہوں سب کو کہہ دیا، جن جن گانوں میں جہاں جہاں ہوں اپنے اپنے ٹھکانوں سے نکل کر اچھے اچھے بچھونے بچھا کر گاتے بجاتے دھومیں مچاتے ناچتے کودتے رہا کریں۔

(ڈھونڈھنا گوسائیں مہندر گر کا کنور اودے بھان اور اُس کے ماں باپ کو اور نہ پانا اور بہت سا تلملانا اور راجہ اندر کا اس کی چٹھی پڑھ کے آنا)

یہاں کی بات اور چہلیں جو کچھ ہیں سو یہیں رہنے دو۔ اب آگے یہ سنو۔ جوگی مہندر گر اور اس کے نوے لاکھ اتیتوں نے سارے بن کے بن چھان مارے، کہیں کنور اودے بھان اور اس کے ماں باپ کا ٹھکانا نہ لگا، تب ان نے راجہ اندر کو چٹھی لکھ بھیجی۔ اس چٹھی میں یہ لکھا ہوا تھا۔ تینوں جنوں کو میں نے ہرن اور ہرنی کر ڈالا تھا اب ان کو ڈھونڈھتا پھرتا ہوں کہیں نہیں ملتے اور میری جتنی سکت تھی اپنے سے کر چکا ہوں اور اب میرے منہ سے نکلا کنور اودے بھان میرا بیٹا اور میں اس کا باپ۔ سسرال میں سب بیاہ کے ٹھاٹھ ہو رہے ہیں۔ اب مجھ پر نپٹ[2] گاڑھ ہے جو تم سے ہو سکے سو کرو۔ راجہ اندر گرو مہندر گر کو دیکھنے کو سب اندراسن سمیت آن پہنچتا ہے اور کہتا ہے جیسا آپ کا بیٹا ویسا میرا بیٹا۔ آپ کے ساتھ میں سارے اندر لوک کو سمیٹ کے کنور اودے بھان کو بیاہنے چڑھوں گا۔ گسائیں مہندر گر نے راجہ اندر سے کہا ہماری آپ کی ایک ہی بات ہے پر کچھ ایسی سوجھایئے جن میں وہ اودے بھان

---

[1] گانے والے، ناچنے والے۔ کھیل تماشہ دکھانے والے [2] بڑی مصیبت

ہاتھ آدیں یہاں جتنے گویئے اور گائنیں ہیں ان سب کو ساتھ لے کے ہم اور آپ سارے بنوں میں پھریں کہیں نہ کہیں ٹھکانا لگ جائے گا۔

(ہرن اور ہرنیوں کے کھیل کا پکڑنا اور نئے سر سے کنور اودے بھان کا روپ پکڑنا)

ایک رات راجہ اندر اور گوسائیں مہندر گر نکھری ہوئی چاندنی میں بیٹھے راگ سُن رہے تھے۔ کروڑوں ہرن آس پاس ان کے راگ کے دھیان میں چوکڑی بھولے سر جھکائے کھڑے تھے۔ اس میں راجہ اندر نے کہا کہ سب ہرنوں پر پڑھ کے میری سنگت کرو کے بھگت پھرو منتر[1] ایسری باچا[2] ایک ایک چھینٹا پانی کا دو۔ کیا جانے وہ پانی کیا تھا پانی کے چھینٹے کے ساتھ ہی کنور اودے بھان اور ان کے ماں باپ تینوں جنے ہرنوں کا روپ چھوڑ کر جیسے تھے ویسے ہو جاتے ہیں۔ مہندر گر اور راجہ اندر ان تینوں کو گلے لگاتے ہیں اور پاس اپنے بڑی آؤ بھگت سے بٹھاتے ہیں اور وہی پانی کا گھڑا اپنے لوگوں کو دے کر وہاں پہنچوا دیتے ہیں جہاں سر منڈواتے ہی اولے پڑے تھے۔ راجہ اندر کے لوگ جو پانی کے چھینٹے وہی ایسری باچ پڑھ کے دیتے ہیں جو جو مرتے تھے سب اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور جو جو ادھموے ہو کے بھاگ بچے تھے سب سمٹ آتے ہیں راجہ اندر اور مہندر گر کنور اودے بھان اور راجہ سورج بھان اور رانی لچھمی باس کو لے کر ایک اُڑن کھٹولے پر بیٹھ کر بڑی دھوم دھام سے ان کے اپنے راج پر بیٹھا کر بیاہ کے ٹھاٹھ کرتے ہیں، پنسیریوں ہیرے موتی ان سب پر نچھاور ہوتے ہیں۔ راجہ سورج بھان اور اودے بھان اور ان کی ماں رانی لچھمی باس چت چاہی[3] آس پا کر پھولے اپنے آپ میں نہیں سماتے اور

---

[1] ایک جادوئی منتر [2] وہی منتر [3] دل چاہی مراد

سارے اپنے راج کو یہی کہتے جاتے ہیں جو نرے بھونرے کے منہ کھول دو اور جس جس کو جو اکٹ سو جھے بول دو ۔ آج کے دن سے اور کون سا دن ہوگا ہماری آنکھوں کی پتلیوں کا جس سے چین ہے اس لاڈلے اکلوتے کا بیاہ اور ہم تینوں کا ہرنوں کے روپ سے نکل کر پھر راج پر بیٹھنا ۔ پہلے تو یہ چاہئے جن جن کی سے بیٹیاں بن بیاہیاں کنواریاں بالیاں ہوں ان سب کو اتنا کر دو کہ جو اپنی جس جس چاؤ چوچ سے چاہیں اپنی اپنی گڑیاں سنوار کے اٹھا دیں اور جب تلک جیتی رہیں ہمارے یہاں سے کھایا پیا پکایا ریندھا کریں اور سب راج بھر کی بیٹیاں سدا سہاگنیں بنی رہیں اور سوہے رائے چھٹ کبھی کوئی کچھ نہ پہنا کریں اور سونے روپے کے کواڑ گنگا جمنی سب گھروں میں لگ جائیں سب کوٹھوں کے ماتھے پر کیسر اور چندن کے ٹیکے لگے ہوں اور جتنے پہاڑ ہمارے دیس میں ہوں اتنے اتنے ہی روپے سونے کے پہاڑ آمنے سامنے کھڑے ہو جائیں اور سب ڈانگوں کی چوٹیاں موتیوں کی مانگ سے بن مانگے بھر جائیں اور پھولوں کے گہنے اور بندن واروں سے سب جھاڑ پہاڑ لدے پھندے رہیں اور اس راج سے لگا اس راج تک ادھر میں چھت باندھ دو چپا چپا کہیں نہ رہے جہاں بھیڑ بھڑ کا دھوم دھڑکا نہ ہونا چاہئے ۔ پھول اتنے بہت سارے کھنڈ جائیں جو ندیاں جیسی سچ مچ پھول کی بہتیاں ہیں یہ سمجھا جائے اور یہ ڈول کر دو جدھر سے دولھا کو بیاہنے چڑھیں سب لاڑلی اور ہیرے اور پکھراج کی ادھر ادھر کنول کی ٹٹیاں بن جائیں اور کیاریاں سی ہو جائیں جن کے بیچ بیچ سے ہو نکلیں اور کوئی ڈانگ اور پہاڑ تلی کا اتار چڑھاؤ ایسا دکھائی نہ دے جس کی گود پکھر و توں اور پھول پھلوں سے بھری بھتولی نہ ہو ۔

لہ خزانے کا نام ۔ ٢ تدبیر ۔ ٣ جو ارمان ہو ۔ ٤ پکانے کھانے کے معنی میں آتا ہے ۔ ۵ سوائے سرخ رنگ ۔ ٦ پہاڑ ۔ ٧ بکھیر ۔ ٨ عہد کرو ۔ کام کرو ۔ ٩ لال ۔ ١٠ سجی ہوئی نہ ہو ۔

(راجہ اندر کا ٹھاٹھ کرنا اودے بھان کے بیاہنے کیلئے)

راجہ اندر نے کہہ دیا وہ رنڈیاں چلبلیاں جو اپنے مدے[1] میں اڑچلیاں ہیں ان سے کہہ دو سولہ سنگار بال بال گنج موتی پرو دو، اپنے اپنے اچرج اور اچنبھے کے اڑن کھٹولوں کے اس راج سے اس راج تک ادھر میں چھت سی باندھ دو، پر کچھ ایسے روپ سے اڑ چلو جو اڑن کھٹولوں کی کیاریاں اور پھلواریاں سی سیکڑوں کوس تک ہوجائیں اور اوپر ہی اوپر مردنگ، بین جلترنگ، منہ چنگ گھونگھرو، تبلے، کٹ تال[2] اور سیکڑوں اس ڈھب کے انوکھے باجے بجتے آئیں اور ان کیاریوں کے بیچ میں ہیرے پکھراج ان بندھے موتیوں کے جھاڑ اور لال ٹینوں[3] کی بھیڑ بھاڑ کی جھم جھماہٹ دکھائی دے اور انھیں لال ٹینوں میں سے ہتھپھول، پھلجھڑیاں جاہی، جوہیاں، کدم، گیندا، چنبیلی اس ڈھب سے چھوٹے کہ دیکھنوں کی چھاتیوں کے کواڑ کھل جائیں اور پٹاخے جو اچھل اچھل کے پھوٹیں ان میں سے ہنستی سپاری اور بولتے پکھروٹے ڈھل ڈھل پڑیں اور جب تم سب کو ہنسی آوے تو چاہیے اس ہنسی کے ساتھ موتی کی لڑیاں جھڑیں جو سب کے سب ان کو چن چن کے راج راجے ہوجاویں۔ ڈومینوں کے روپ میں سارنگیاں چھیڑ چھیڑ سوہیلے گاؤ، دونوں ہاتھ ہلاؤ، انگلیاں نچاؤ، جو کسی نے نہ سنے ہوں وہ تاؤ بھاؤ آؤ جاؤ راؤ چاؤ دکھاؤ۔ ٹھڈیاں کپکپاؤ اور ناک بھویں تان تان بھاؤ بتاؤ۔ کوئی چھوٹ کر رہ نہ جاؤ۔ ایسا بھاؤ جو لاکھوں برس میں ہوتا ہے۔ جو جو راجہ اندر نے اپنے منہ سے نکالا تھا آنکھ کے جھپک کے ساتھ وہی ہونے لگا اور جو کچھ ان دونوں مہاراجوں نے ادھر ادھر کہہ دیا تھا۔ سب کچھ اسی روپ سے ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔ جس بیاہنے کی یہ کچھ پھیلاوٹ اور جماوٹ اور رچاوٹ اوپر تلے اس جمگھٹے کے ساتھ ہو کہ اس کا اور کچھ پھیلاوا

---

[1] مستی [2] باجوں کے نام [3] کوئی آتش بازی

کیا کچھ ہو گا یہ دھیان کر لو۔

(ٹھاٹھ گسائیں مہندر گر کا)

جب کنور اودے بھان اس روپ سے بیاہنے چڑھے اور وہ باہمن جو اندھیری کوٹھری میں ٹونڈا[1] ہوا تھا اس کو بھی ساتھ لے لیا اور بہت سے ہاتھ جوڑے اور کہا باہمن دیوتا ہمارے کہنے سننے پر نہ جاؤ، تمھاری جو ریت ہوتی چلی آئی ہے بتاتے چلو۔ ایک اڑن کھٹولے پر وہ بھی ریت[2] بتانے کو ساتھ ہوا۔ راجہ اندر اور گسائیں مہندر گر ایراوت[3] ہاتھی پر جھومتے جھولتے دیکھتے بھالتے سارا اکھاڑا لیے چلے جاتے تھے۔ راجہ سورج بھان دولہے کے گھوڑے کے ساتھ مالا جپتا ہوا پیدل تھا۔ اتنے میں ایک سناٹا ہوا سب گھبرا گئے۔ اس سناٹے میں سے وہ جو جوگی کے نوے لاکھ اتیت[4] بنے تھے سب کے سب جوگی بنے ہوئے موتیوں کی لڑیوں کی شیلی[5] گلے میں ڈالے گاتیاں اسی ڈھب کی باندھے، مرگ چھالوں اور بگھمبروں[6] پر آ ٹپکے۔ انہوں کے جیون میں جتنی سے امنگیں چھا رہی تھیں وہ جوگنی بجگنی ہو گئیں۔ سکھپال[7] اور چنڈولوں اور رتھوں پر جتنی رانیاں مہارانی لچھمی داس کے پیچھے چلی آتی تھیں سب کو گدگدیاں سی ہونے لگیں۔ اس میں کہیں بھرتری کا سانگ آیا، کہیں جوگی جے پال آ کھڑے ہوئے۔ کہیں مہادیو جی اور پاربتی جی دکھائی پڑے، کہیں گورکھ جاگے کہیں مچھندر ناتھ بھاگے، کہیں مچھ، کچھ، براہ سنمکھ ہوئے کہیں پرسرام۔ کہیں باون روپ کہیں ہرناکس اور نرسنگھ، کہیں رام لچھمن سیتا سامنے آئے؛ کہیں راون اور لنکا کا بکھیڑا سارے کا سارا دکھائی دینے

---

[1] بند۔ قید [2] طریقہ [3] راجہ اندر کا ہاتھی [4] شاگرد۔ چیلے
[5] ہار [6] شیر کی کھال [7] مختلف قسم کی سواریاں

لگا، کہیں کنہیاجی کا جنم اسٹمی ہونا اور باسدیو کا گوکل لے جانا اور ان کا اس روپ سے بڑھ چلنا اور گائیں چرانی اور مورلی بجانی اور گوپیوں سے دھومیں مچانی اور رادھا کا رس کبجا کا بس کرلینا، کہیں بنسی بٹ، چیر گھاٹ، بندرابن کریل کی کنج، بندرابن سیوا کنج برسانے میں رہنا اور اس کنہیا سے جو جو کچھ ہوا تھا سب کا سب جیوں کا تیوں آنکھوں میں آنا اور دوارکا میں جانا اور وہیں سونے کے گھر بنانا اور پھر برج کو نہ آنا اور سولہ سو گوپیوں کا تلملانا سامنے آگیا۔ ان گوپیوں میں سے اودھو[1] کا ہاتھ پکڑ کر ایک گوپی کے اس کہنے نے سب کو رولا دیا جو اس ڈھب سے بول کے رو ندھے ہوئے جی کو کھولتی تھی۔

کبت

جب چھانڑ کریل کی کنجن کوں ہری دوارکا جیو ماں جاے بسے
مگدھوت کے دھام بنائے گھنے مہاراجن کے مہاراج بھئے تج مور مکٹ اور
کامریا پچھو اور ہی ناتے جور لئے دھرے روپ نئے کئے نیہہ نئے اور گیاں
چرائیو بھول گئے۔

اچھاپنا گھاٹوں کا

جتنے گھاٹ دونوں راج کی ندیوں میں تھے کچی چاندی کے تھکے سے ہو کر لوگوں کو ہکا بکا کر رہے تھے۔ نواڑے، بھولئے، بجرے، لچکے، مور پنکھی، سونا مکھی، سیام سندر، رام سندر اور جتنی ڈھب کی ناویں تھیں ستھرے روپ سے سجی سجائی، کسی کسائی[2] سو سو لچکیں کھاتیاں آتیاں جاتیاں لہراتیاں پڑی پھرتیاں تھیں۔ ان سب[3] پر بھی گویئے، کنچنیاں، رام جنیاں

---

[1] کرشن کے بہتر دوست۔ بھائی [2] مختلف قسم کی ناویں [3] گانے والیاں

ڈومنیاں، کہیں کہیں بھری اپنے اپنے کرتب میں ناچتی، گاتی، بجاتی، کودتی پھاندتی، دھومیں مچاتیاں انگڑائیاں۔ جمہائیاں، انگلیاں نچاتیاں، اور ڈھلی پھرتیاں تھیں اور کوئی ناؤ ایسی نہ تھی جو سونے روپے کے پتروں سے منڈھی ہوئی اور اساوری[1] سے ڈھکی ہوئی نہ ہو اور بہت سی ناؤں پر ہنڈولے بھی اسی ڈھب کے، ان پر گائنیں بیٹھی جھولتی ہوئیں سوہلے[2] کدارے[3] اور باگیسری کا کھڑے میں گا رہی تھیں۔ دل بادل ایسے نواڑوں کے سب جھیلوں میں بھی چھا رہے تھے۔

(آ پہنچنا کنور اودے بھان کا بیاہنے کے ٹھاٹھ کے ساتھ دلہن کی ڈیوڑھی پر)

اس دھوم دھام کے ساتھ کنور اودے بھان سہرا باندھے جب دلہن کے گھر تلک آن پہنچا اور جو ریتیں ان کے گھرانے میں ہوتی چلی آتیاں تھیں ہونے لگیاں، مدن بان رانی کیتکی سے ٹھٹھولی کر کے بولی "اب سکھ سمیٹئے بھر بھر جھولی، سر نہوڑائے کیا بیٹھی ہو، آؤ نہ ٹک ہم تم مل کے جھروکوں سے انہیں جھانکیں۔" رانی کیتکی نے کہا "اری ایسی نلجی[4] باتیں ہم سے نہ کر، ایسی ہمیں کیا پڑی جو اس گھڑی ایسی کڑی[5] جھیل کر ریل پیل میں اٹھیں اور تیل پھلیل میں بھری ہوئی ان کے جھانکنے کو جا کھڑی ہوں۔ مدن بان اس رکھائی کو اوڑن گھائی[6] کے انیٹوں میں کر بولی۔ دوہے اپنی بولی میں۔

دوہا

یوں تو دیکھو واچھڑے جی واچھڑے جی واچھڑے

ہم سے اب آنے لگیں ہیں آپ یہ مہرے کڑے

---

1. ریشمی کپڑا 2. جھولے 3. راگ کی قسمیں 4. بے شرمی 5. مشکل سے تکلیف سے 6. ہنسی مذاق کا انداز

چھان مارے بن کے بن تھے آپ نے جن کے لئے
وہ ہرن جوبن کے مدہ میں ہیں بنے دولہ کھڑے
تم نہ جاؤ دیکھنے کو جو انہیں، کچھ بات ہے
جھانکتے اس دھیان میں ہیں ان کو سب چھوٹے بڑے
ہے کہاوت "جی کو بھاوے یوں ہی پر منڈیا ہلائے"
لے چلیں گے آپ کو ہم ہیں اسی دھن پر اڑے
سانس ٹھنڈی بھر کے رانی کیتکی بولی کہ سچ
سب تو اچھا کچھ ہوا پر اب بکھیڑے ہیں پڑے

(واری پھیری ہونا مدن بان کا رانی کیتکی پر اور اسکی باس کا سونگھنا اور اینڈے پن سے اونگھنا)

اس گھڑی کچھ مدن بان کو رانی کیتکی کے مانجھے کا جوڑا اور بھینا بھینا پن اور انکھڑیوں کا لجانا اور بکھرا بکھرا جانا بھلا لگ گیا تو رانی کیتکی کی باس[1] سونگھنے لگی اور اپنی آنکھوں کو ایسا کر لیا جیسے کوئی کسی کو اُنگھنی[2] لگتی ہے سر سے لگا پاؤں تک واری پھیری ہو کے تلوے سہلانے لگی، رانی کیتکی جھٹ سے دھیمے سے ہنس کے لچکے کے ساتھ اٹھی۔ مدن بان بولی میرے ہاتھ کے ٹھوکے سے وہ ہی پانو کا چھالا دکھ گیا ہوگا جو ہرنوں کی ڈھونڈا ڈونڈھ میں پڑ گیا تھا ایسی دکھتی چٹکی کی چوٹ سے مسوس کر رانی کیتکی نے کہا کانٹا اڑا تو اڑا اور چھالا پڑا تو پڑا پر نگوڑی تو کیوں میرا پنچھالا ہوئی۔

(سراہنا رانی کیتکی کے جوبن کا)

رانی کیتکی کا بھلا لگنا لکھنے پڑھنے سے باہر ہے۔ وہ دونوں

---

[1] مہک [2] نیند بھری [3] دم کی طرح پیچھے لگی ہوئی ہے

بھوؤں[1] کی کھچاوٹ اور پتلیوں میں لاج کی سماوٹ اور نکیلی پلکوں کے رونداہٹ[2] اور ہنسی کی لگاوٹ، دنتڑیوں[3] میں مسیوں کے اودا ہٹ اور اتنی سی رکاوٹ سے ناک اور تیوری چڑھا لینا اور سہیلیوں کا گالیاں دینا اور چل نکلنا اور ہرنیوں کے روپ سے کرچھپائیں[4] مار پرے او چھلنا کچھ کہنے میں نہیں آتا۔

(سراہنا کنورجی کے جوبن کا)

کنور اودے بھان کے اچھے پن میں کچھ چل نکلنا کسی سے ہو نہ سکے۔ ہائے رے! ان کی ادبھار کے دنوں کا سہانا پن اور چال ڈھال کا اچھن بچھن، اٹھتی ہوئی کونپل کی پھبن اور مکھڑے کا گدرایا ہوا جوبن جیسے بڑے تڑکے ہرے بھرے پہاڑوں کی گود سورج کی کرن نکل آتی ہے، یہی روپ تھا ان کی بھیگتی مسوں سے رس کا ٹپکا پڑنا اور اپنی پرچھائیں دیکھ کر اکڑنا، جہاں تہاں چھانہ اس کا ڈول ٹھیک ٹھاک، ان کے پانوں تلے جیسے دھوپ تھی۔

(دولہا اودے بھان کا سنگاسن پر بیٹھنا)

دولہا اودے بھان سنگاسن[5] پر بیٹھا، ادھر ادھر راجہ اندر اور جوگی مہندر گرجم گئے۔ دولہ کا باپ اپنے بیٹے کے پیچھے مالا لئے کچھ کچھ گنگنانے لگا اور ناچ لگا ہونے اور ادھر میں جو اڑن کھٹولے اندر کے اکھاڑے کے تھے سب کے سب اس روپ سے چھت[4] باندھے ہوئے تھر کا کئے۔ مہارانیاں دونوں سمدھنیں آپس میں ملیاں جلیاں اور دیکھنے داکھنے کو کوٹھوں پر

---

[1] بھوؤں [2] تیر کی طرح گھسنا [3] دانتوں [4] اچھلنا [5] شاہی تخت

چندن کے کواڑوں کے اڑتلوں[1] میں آبیٹھیاں۔ سانگ سنگیت بھنڈتال رہس[2] ہونے لگا۔ جتنے راگ اور راگنیاں تھیں یمن کلیاں، جھنجوٹی، کانڑا، کھماچ، سوھنی، پرچ، بہاگ، سوھرٹ، کالنگڑا، بھیروی، کھٹ للت، بھیروں روپ پکڑے ہوئے سچ مچ کے جیسے گانے والے ہوتے ہیں اسی روپ سے اپنے اپنے سمے پر گانے لگے اور گانے لگیاں۔ اس ناچ کا جو بھاؤ تاؤ رچاوٹ کے ساتھ ہوا کس کا منہ جو کہہ سکے، جتنے وہاں کے سکھ چین کے گھر تھے مادھو بلاس، رس دھام، کشن نواس، بچھی بھون، چندر بھون سب کے سب لپے سے لپٹی اور سچے موتیوں کی جھالریں اپنی اپنی گانٹھ میں سمیٹے ہوتے ایک بھبن کے ساتھ سوالوں کے روپ میں جھوم جھوم بیٹھنے والوں کے منہ چوم لیتے تھے۔ بیچوں بیچ ان سب گھروں کے ایک آرسی دھام[3] بنایا تھا۔ جس کی چھت اور کواڑ اور آنگن میں آرسی چھٹ لکڑی اینٹ پتھر کے پٹ، ایک انگلی کے پورے[4] بھر نہ تھی۔ جالی کا جوڑا پہنے ہوئے چودھویں رات جب گھڑی چھ ایک رہ گئی، تب رانی کیتکی سی دلہن کو اس آرسی بھون میں بیٹھا کر دولہ کو بلا بھیجا۔ کنور اودے بھان کنہیا بنا ہوا سر پر مکٹ دھرے سہرا باندھے اسی تڑادے اور جمگھٹ کے ساتھ چاند سا مکھڑا لئے جا پہنچا۔ جس جس ڈھب سے باھمن اور پنڈت کہتے گئے اور جو مہاراجوں میں ریتیں چلی آتیاں تھیں اسی ڈول سے اسی روپ سے بھونری[5] گٹھ جوڑا سب کچھ ہو لیا۔

دوہے اپنی بولی کے

اب اودے بھان اور رانی کیتکی دونوں ملے
آس کے جو پھول کملائے ہوئے تھے پھر کھلے

---

[1] ادوٹ میں [2] سر پر ہل رہے تھے [3] آئینہ خانہ
[4] ایک انگلی کے [5] بھنور لیا۔ پھیرا لیا

چین ہوتا ہی نہ تھا جس ایک کو اس ایک بن
رہنے سہنے سو لگے آپس میں اپنے رات دن
اے کھلاڑی یہ بہت تھا کچھ نہیں تھوڑا ہوا
آن کر آپس میں جو دونوں کا گٹھ جوڑا ہوا
چاہ کے ڈوبے ہوئے اے میرے داتا سب تریں
دن پھرے جیسے انھوں کے ایسے اپنے دن پھریں

وے اڑن کھٹولے والیاں جو ادھر میں جھت باندھے ہوئے تھرک رہی تھیں بھر بھر جھولیاں اور مٹھیاں ہیرے اور موتیوں سے نچھاور کرنے کے لئے اتر آئیاں، اور اڑان کھٹولے جوں کے توں ادھر میں چھت[1] باندھے ہوئے کھڑے رہے۔ دولہا دلہن پر سے سات ساتھ واری پھیرے ہوتے ہیں پس بٹ[2] گیاں اور ان سبھوں کو ایک ہچکی سی لگ گئی۔ راجہ اندر نے دلہن کی منہ دیکھائی میں ایک ہیرے کا اکڈال چھپر کھٹ اور ایک پیڑھی پکھراج کی دی اور ایک پارجات کا پودھا جس سے جو مانگے سو ہی ملے، دلہن کے سامنے لگادیا اور ایک کام دھین[3] گاے کی پٹھیا[4] بھی اس کے نیچے باندہ دی اور اکیس لونڈیاں انہیں اڑن کھٹولے والیوں سے چن کے اچھی سے اچھی ستھری گاتی بجاتیاں، سیتی پرو[5]تیاں، سگھڑ سے سگھڑ سونپیں اور انھیں کہہ دیا "رانی کیتکی جھٹ ان کے دولہ سے کچھ بات چیت نہ رکھیو، تمہارے کان پہلے سے مروڑے دیتا ہوں۔ نہیں تو سب کی سب پتھر کی مورتیں بن جاؤگی اور اپنا کیا آپ پاؤگی۔" اور گسائیں مہندر گر جی نے باون تولے پاؤ رتی جو سنتے ہیں اس کے اکیس مٹکے آگے رکھ کے کہا "یہ بھی ایک کھیل ہے جب

---

[1] سایہ کئے ہوئے [2] اے عقل بس کر [3] ایسی گائے جس سے منہ مانگا پورا ہوگا۔ وسشٹ بھگوان کی دی [4] بچھیا [5] سینے پرونے والیاں

چاہیے تو بہت سا تانباگلا کے ایک اتنی سی اس کی چھوڑ دیجیے گا کنچن[1] ہو جائے گا۔" اور جوگی نے یہ سبھوں سے کہہ دیا جو لوگ ان کے بیاہ میں جاگے ہیں ان کے گھروں میں چالیس دن رات سونے کی ٹنڈیوں کے روپ میں ہن برسیں اور جب تک جئیں کسی بات کو پھر نہ ترسیں نو لاکھ ننانوے گائیں سونے روپے کی سنگھوٹیوں کی، جڑاؤ گہنا پہنے ہوئے، گھنگرو، جھنجھنایاں[2] باہمنوں کو دان ہوئیں اور سات برس کا پیسا سارے راج کو چھوڑ دیا۔ بائیس سے ہاتھی اور چھتیس سے اونٹ لدے ہوئے روپوں کے لٹا دئے۔ کوئی اس بھیر بھاڑ میں دونوں راج کا رہنے والا ایسا نہ رہا جس کو گھوڑا جوڑا، روپوں کا توڑا، سونے کی جڑاؤ کڑوں کی جوڑی نہ ملی ہو اور مدن بان چھٹ[3] دولہ دلہن پاس کسی کا ہواؤ نہ تھا جو بن بلائے چلی جائے۔ بن بلائے دوڑی آئے تو وہی آئے اور ہنسا دے تو وہی ہنسائے۔ رانی کیتکی کے چھیڑنے کو ان کے کنور اودے بھان کو کنور کنوراجی کہہ کے پکارتی تھی اور اسی بات کو سو سو روپ سے سنوارتی تھی۔

دوہے اپنی بولی کے

گھر بسا جس رات انھوں کا تب مدن بان اس گھڑی
کہہ گئی دولھہ دلہن کو ایسی سو باتیں کڑی
باس پاکر کیوڑے کی کیتکی کا جی کھلا
سچ ہے ان دونوں جنوں کو اب کسی کی کیا پڑی
کیا نہ آئی لاج کچھ اپنے پرائے کی اجی
تھی ابھی اس بات کی ایسی ابھی کیا ہڑبڑی

---

[1] سونا [2] کو چھوڑ کر [3] ہمت

دلہن نے اپنے گھونگٹ سے کہا

جی میں آتا ہے تیرے ہونٹوں کو مل ڈالوں ابھی
بل بے[1] اے رنڈی ترے دانتوں کی مسی کی دھڑی

---

[1] واہ واہ شاباش

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
سر جھکا کر ناک رگڑتا ہوں	بڑے ادب کے ساتھ	پرانے دھرانے بوڑھے گھاگ	پرانے زمانہ کے بوڑھے
یہ کل کا پتلا	انسان	کھڑاگ لائے	کہا
کھلاڑی کی سدھ رکھے	خدا کا خیال رکھے	اچھوں سے اچھے	لائق ۔ شرفا
کرڑا کسیلا کیوں ہو	تکلیفیں کیوں جھیلے	جوں کا توں	ویسا ہی
مورتوں کو جی دان دے	مٹی کے پتلوں یا انسانوں کو زندگی عطا کی	ڈول	طریقہ ۔ ڈھنگ
کمہار کے کرتب کچھ بتا سکے	خدا کی تعریف بیان کر سکے	ٹھوکا	سنکر
پڑا بکے	بکے	انوکھا بولا	بڑبولا
سرت	یاد ۔ دھیان	اونگلیاں نچاؤں	اُنگلیاں مٹکاؤں
سراہا کریں	تعریف کریں	اپنی چوکڑی بھول جائے	شرما جائے
جپتا ہوں	عبادت کرتا ہوں	کان رکھ کے	غور سے
پھولا	بے حد خوش ہونا	سنمکھ ہو کے	سامنے آکر
چاؤ	محبت ۔ چاہ	ٹک	ذرا
چھٹ	سوائے ۔ بجز	ڈھب سے	طریقہ سے
ڈول ڈال	بات شروع کر	ادبھار	آغاز
دھیان میں چڑھ آئی	خیال آیا	سنگھار	عبارت کی خوبی یا اس کا حسن
ہندوی چھٹ	سوائے ہندی کے فارسی عربی کے الفاظ نہ آئیں	سورج کی ایک سوت آ ملی تھی	سورج کی طرح وہ چمکدار تھا
نپٹ	بالکل	سولھے میں پاؤں رکھا تھا	سولہواں سال شروع ہوا تھا
روپ	طرح	جامائیاں	جمائیاں
باہر کی بولی	فارسی عربی		

الفاظ	معنی
جی لوٹ پوٹ ہوا	جی چاہا۔ خواہش پیدا ہوئی
امریاں دھیان چڑھیں	آم کے درخت نظر پڑے
رنڈیاں	عورتیں
اگلی	بڑھ کر
گاتیاں ہیں	گا رہی ہیں
چنگھاڑ سی پڑ گئی	شور مچ گیا
ناہ نوہ کی	ہاں نہیں ہچر مچر
مسوس کے	فکر کر کے
ملولا کھاکے	رنج کر کے
رکھائیاں نہ دیجئے	بے مروتی نہ کیجئے
چھانہہ	سایہ
پدنیاں	باعصمت لڑکیاں
سردھری	سردار
بولیاں ٹھولیاں نہ مارو	بے کار باتیں نہ بناؤ
ان منہ کا ڈول	طریقہ
ہوٹھ پپڑائے	ہونٹ خشک
سر رہتا ہے جاتا جائے	چاہے مروں یا جیوں
پتے سب نے کھولے	خاندان بتایا
مٹ بھیڑ	ملاقات
باتیں آئیاں	پیغام آئے
دھن بھاگ	خوش قسمتی

الفاظ	معنی
گوئیاں	سہیلی
گٹھ جوڑا	بیاہ
اچرج اور اچنبھے کی	تعجب کی
جیسا منہ ویسی تھپڑ	جیسے کو تیسا ملتا ہے
چت چاہی بات	حسب مراد۔ خواہش کے مطابق
لکھوٹی	لکھاوٹ۔ تحریر
میرے سر چوٹ ہے	میری بدنامی ہے
انوپ روپ	خوبصورتی
کچھ دال میں کالا ہے	کوئی خاص بات یا بھید ہے
چھپر کھٹ	پلنگ
سدھارئے	تشریف لے جائیں
مکھ بات ہو کے میں نے یہ کچھ نہ کہا	منہ در منہ میں نے یہ کچھ نہ کہا
جی ناک میں آگیا	پریشان اور مایوس ہو گیا
جگ میں چاہ کے ہاتھ کسی کو سکھ نہیں	محبت دنیا میں سب کو بے چین کئے ہوتے ہے
کنوتیاں اٹھائے	تیز بھاگ رہی تھی
بگ چھٹ	تیز باگ اٹھائے
سپھل	اچھا پھل۔ نتیجہ

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
ایک جاکھہ	یکجا	آنندیں کرو	چین سے رہو
ناہ نوہ کی ٹھیرے گی	ہچر مچر کریں گے	دندناؤ	خوشی مناؤ۔ موج اڑاؤ
سبھ مہورت	نیک ساعت	گاڑ	مشکل
گوت کا تو میل نہیں	خاندانی تعلق نہیں	ڈنڈوت کی	سلام کیا
لڑن	جنگ	روکھ	درخت
لوہو بہنے لگا	خون کی ندی بہنے لگی	ڈھڈ ہے پھول	تیز شوخ رنگ کے پھول
ڈنڈ	بازو	بھلاوے میں	دھوکہ دھوکہ میں
بادبھک	غرور۔ گھمنڈ	واری	قربان جاؤں
اکڈال	بالکل۔ بنا ہوا	ٹلکے	باتیں۔ چیزیں
اچیتوں	چیلوں۔ شاگردوں	تھتھاکے	پھلاکے
	مریدوں	بجی کھسوٹی	مصیبت کی ماری
درے رہے	علیحدہ۔ علاوہ	اپنے چونڈے کو ہلادیں	سر ہلادیں۔ مارے مارے
آٹھ پہر وپ بندھوں کا	ہر وقت غلاموں کی		پھریں
سادھرے	طرح ہاتھ باندھے ہوئے	پوت ابدھوت	بیٹا
بھگو	بھاگنے والا۔ ایلچی	رکھائیاں	بے مروتی
باگھمبر	شیر کی کھال	کھولیاں	بیان کیں
باؤ کے گھوڑے کی پیٹھ	ہوا کے گھوڑے پر	بروگ	جدائی
پر لاگا	سوار	بے ٹھور	بے جگہ
مرگ چھالوں	ہرن کی کھالوں	ڈاروں	ہرنوں کا غول
گورکھ جاگا	حاضر حضور	ڈبرے	تالاب
تھل بیڑا	ٹھکانا۔ پتا	روئیاں	روئیں
سہتی	سمیت۔ سب کا سب	جنیاں	عورتیں

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
بیٹھیاں	بیٹھیں	لال پٹوں	لال کپڑا
آدیس	سلام۔ حکم	ایراوت ہاتھی	راجہ اندر کے ہاتھی کا نام
کھلاڑی	قدرت	سیلی	ہار
سن کھینچی	خاموش	چنڈولوں۔ رتھوں	مختلف قسم کی سواریاں
ٹھلک	چمک	کامریا	کملی
پھنگ	چوٹی	اساوری	ریشمی کپڑا
ڈانک	چمکدار شے	ہنڈولے	جھولا
بن	سوائے	نواڑوں	ناؤوں
نپٹ گاڑھ	بڑی کٹھن یا سخت مشکل	واری پھیری	صدقہ قربان
سنگت گرد	ساتھی	اینڈے پن	نشہ یا نیند
جو نرے بھونرے	تہہ خانے۔ بھتے۔ خزانہ	ٹھوکے سے	لگ جانے سے
اکت	تدبیر۔ ترکیب	پنچھا لاہوئی	دم کی طرح میرے ساتھ یا
چاؤ چوچ	خواہش۔ خوشی		میرا پیچھا لئے ہے
سوہے رالے چھٹ	سوائے سرخ رنگ کے	روندا ہٹ	تیر کی طرح گھسی جاتی تھیں
ڈالگوں	پہاڑوں	کرچھالیں مارکے اوچھلنا	کودنا لچکنا جھجکنا بیان
کھنڈ جائیں	بکھیر دئے جائیں	کچھ کہنے میں نہیں آتا	سے باہر ہے
ڈول کردہ	اہتمام کردو	آرسی دھام	آئینہ خانہ
لالڑی	لال	آرسی چھٹ	سوائے آئینہ کے
پہاڑتلی	اوپر نیچے	پٹ	چیز۔ حصہ۔ ٹکڑا
بکھروٹوں	درختوں	چھت باندھے	سایہ کئے
بھتولی	آراستہ	بس بس گیان	اے عقل بس کر
مدہ میں اٹھلیاں ہیں	حسن پر ناز کرتی ہیں	توڑا	ہتھیلی

ختم شدہ